پُراسرار جزیرہ

پُراسرار جزیرہ

داستان امیر حمزہ

حصّہ دوم

مقبول جہانگیر

نوشیرواں کا تخت

حشّام عرب کے ایک شہر خیبر میں پیدا ہُوا تھا۔ اس کا باپ علقہ اپنے زمانے کا بڑا نامی گرامی لُٹیرا تھا۔ لوگ اس کی حرکتوں سے پریشان اور خوفزدہ رہتے۔ کئی بار یہ شخص پکڑا گیا اور اس کی پیٹھ پر کوڑے برسائے گے لیکن اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا اور اس نے اپنے بیٹے حشّام کو بھی ایک خوفناک ڈاکو بنانے کے لیے دن رات تربیت دینی شروع کر دی۔

حشّام اپنے باپ سے بھی زیادہ پتھر دل اور بے رحم نکلا۔ اسے کسی پر ترس نہ آتا۔ جب وُہ چھوٹا تھا۔ تو غلیل یا تیر کمان لے کر جنگل میں نکل جاتا اور معصوم پرندوں کو مارتا۔ اس میں اُسے بڑا مزا آتا۔ جوان ہُوا تو انسانوں کو مارنے لگا۔ بے گناہ لوگوں کا مال اسباب لُوٹتا اور ان کے ناک کان کاٹ کر بھاگ جاتا۔

علقمہ مر گیا تو اس کی جگہ حشّام نے لے لی۔ اس نے اپنے ہی جیسے بد معاشوں اور اُچکوں کو جمع کر کے ایک بہت بڑا گروہ بنالیا اور بے دھڑک تاجروں کے قافلوں کو لوٹنے لگا۔

تھوڑے ہی عرصے میں اس کے ظلم و ستم کی کہانیاں سارے ملک میں پھیل گئیں۔ ایران کے بادشاہ نوشیر واں تک شکایت پہنچی کہ حشّام ڈاکو نے لوگوں کی نیندیں حرام کر دی ہیں تو اس نے کئی بار اپنی فوج تیّار کی کہ حشّام کو گرفتار کر لائے۔ مگر وُہ ہر بار کوئی نہ کوئی جُل دے کر صاف نکل جاتا۔ اس زمانے میں خیبر حکومتِ ایران کے ماتحت تھا اور خیبر کے لوگ بادشاہ کو خراج یا ٹیکس دیا کرتے تھے۔

اب حشّام کی جرأت اتنی بڑھی کہ اپنے گروہ کے ساتھ دن کی روشنی میں شہر کے اندر آجاتا اور جس سے جو چاہتا کر الیتا۔ دُکاندار اُسے دیکھتے ہی تھر تھر کانپنے لگتے اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کے سامنے چُوں بھی کرے۔

ایک دن جب کہ حشّام شہر میں گھوم رہا تھا۔ نوشیر واں کی فوج کے سپاہی بھی

وہاں آ گئے۔ ان کا مقصد اس وقت حشّام کو پکڑنے کا نہ تھا۔ وُہ خیبر کے لوگوں سے اپنا سالانہ خراج وصول کرنے آئے تھے۔ حشّام کو پتا چلا تو وُہ اپنے آدمیوں کو لے کر اسی وقت شاہی فوج کے مقابلے میں آ گیا اور ایسا حملہ کیا کہ فوج کے بہت سے سپاہی مارے گئے، اور جو بچے وُہ بھاگ نکلے۔ حشّام نے خیبر کے لوگوں کو جمع کیا اور یُوں تقریر کی۔

"اے بھائیو! تُم مجھے ڈاکو یا قاتل جو کُچھ بھی سمجھو، بجا ہے۔ میں نے تُم پر بڑے ظلم کیے ہیں، مگر نوشیرواں کے سپاہی بھی کُچھ کم نہیں کرتے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمھیں نوشیرواں کی غلامی سے آزاد کراؤں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تم اب وُہ خراج مُجھے ادا کرو جو نوشیرواں کو ادا کرتے ہو تاکہ میں اس روپے سے ایک بڑی فوج تیّار کر کے نوشیرواں سے جنگ کروں۔"

خیبر کے لوگ نوشیرواں کے سپاہیوں سے بھی اُتنے ہی تنگ تھے جتنے حشّام ڈاکو سے، لیکن انھوں نے صرف اس خیال سے کہ وُہ دونوں طرف سے لُٹنے کے بجائے ایک ہی طرف سے لُٹتے رہیں، حشّام کو دل کھول کر روپیہ دیا۔ چند

دِن کے اندر اندر حشّام نے پچاس ہزار جوانوں کی ایک فوج تیار کرلی اور اس کو بہترین ہتھیاروں سے لیس کر کے ایران کے دار لحکومت مدائن کی جانب روانہ ہُوا۔ راستے میں جتنی بھی بستیاں اور گاؤں ملے، سب کو جی بھر کر لوٹا، آگ لگائی اور قتلِ عام کیا۔

حشّام کے آنے کی خبر نوشیر واں کے کانوں تک پہنچی تو وُہ بڑا فکر مند ہُوا۔ اس نے اپنے وزیروں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے رائے دی کہ ان کے مقابلے کے لئے خود بادشاہ کو فوج لے کر نکلنا چاہیے، مگر وزیر بزُرج مِہر نے کہا۔

"جہاں پناہ، اس غلام کی رائے میں یہ مشورہ صحیح نہیں۔ آپ اتنی بڑی سلطنت کے بادشاہ ہیں اور حشّام ایک گھٹیا درجے کا لُٹیرا ہے۔ آپ کو یہ ہرگز زیب نہیں دیتا کہ ایک ڈاکو کے مقابلے میں جائیں۔ فرض کیجئے آپ کو فتح بھی ہوئی تو لوگ کہیں گے، ایک ڈاکو کو شکست دے کر آپ نے کیا کمال کیا۔ اور اگر آپ ہار گئے تو یہ بڑی شرم کی بات ہو گی۔"

نوشیر واں نے اس بات پر غور کیا تو اسے بزُرج مِہر کی اس دلیل میں وزن

محسوس ہُوا۔ کہنے لگا "بے شک تمہارا کہنا ٹھیک ہے۔ حشّام کے مقابلے میں ہمارا جانا اچھا نہیں ہو گا۔ لیکن اس مصیبت سے نجات پانے کی کوئی تدبیر بھی ہونی چاہیے۔"

"تدبیر یہ ہے عالی جاہ کہ کسی بہادُر پہلوان کو مدائن کے قلعے کی حفاظت کے لیے مقرر کیجیے۔ آپ شکار کے ارادے سے جنگل میں نِکل جائیے اور اعلان کر دیجیے کہ آپ چالیس دِن تک جنگل میں رہیں گے۔ میں نے علمِ نجوم سے حساب لگایا ہے کہ یہ چالیس دِن آپ کے لیے سخت منحوس ہیں۔ آپ کو شہر میں نہیں رہنا چاہیے۔"

نوشیرواں نے اسی وقت عشر فیل نام کے ایک پہلوان کو بلایا۔ وُہ مست ہاتھی کی طرح جھومتا ہُوا آیا اور بادشاہ کے تخت کو بوسہ دے کر کھڑا ہو گیا۔ نوشیروں نے اس سے کہا۔

"دیکھو، ہم شکار کھیلنے جنگل میں جارہے ہیں۔ چالیس دن کے بعد واپس آئیں گئے۔ سارا شہر اور قلعہ تمہاری حفاظت میں ہے۔ اگر ہمارے پیچھے دُشمن شہر

پر حملہ کرے تو سب شہریوں اور فوج کو قلعے میں لے جانا اور ہر گز ہر گز قلعے سے باہر نکل کر مت لڑنا۔"

عشر فیل پہلوان نے عرض کیا۔ "جہاں پناہ کا حکم سر آنکھوں پر۔ میں حضور کی ہدایت پر عمل کروں گا اور قلعے سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ نہ کروں گا۔" نوشیر واں نے بزُرج مِہر اور دوسرے سرداروں کو ساتھ لیا اور جنگل کی جانب چلا گیا۔ اب مدائن شہر اور قلعے پر عشر فیل پہلوان کی حکومت تھی۔ اس میں شک نہیں کہ یہ پہلوان بُہت بہادر تھا لیکن اس کی کھوپڑی میں عقل کی جگہ بھُس بھرا ہُوا تھا۔ جب کوئی اس کی تعریف کرتا تو وہ گدھے کی طرح پھول جاتا۔ نوشیر واں کے جانے کے دس دن بعد حشّام اپنی فوج کو لے کر مدائن کے نزدیک آن پہنچا۔ عشر فیل نے قلعے کے دروازے بند کر لیے اور فصیل پر سے تیروں اور پیروں کی ایسی بارش برسائی کہ حشّام کے کئی ہزار آدمی مارے گئے۔ یہ دیکھ کر حشام کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ بار بار اپنے سپاہیوں کہ قلعے کا دروازہ توڑنے اور فصیل پر چڑھنے کے لیے للکارتا، لیکن

جونہی اس کے سپاہی آگے بڑھتے، فصیل پر سے تیروں کی بوچھاڑ آتی اور بہت سے سپاہی مارے جاتے۔ آخر حشّام نے اپنے سپاہیوں کو جنگ بند کرنے کا حکم دیا۔

ساری رات اُسے غصّے کے مارے نیند نہ آئی۔ دل میں کہتا تھا کہ اگر اسی طرح میرے سپاہی موت کے منہ میں جاتے رہے تو میں لڑوں گا کیسے؟ کوئی ترکیب ایسی کی جائے کہ عشر فیل پہلوان اپنے سپاہیوں کو لے کر قلعے سے باہر نکلے۔ سوچتے سوچتے خاصی دیر گزر گئی مگر کوئی ترکیب ذہن میں نہ آئی۔ آخر اپنے غلام سے کہا کہ ایسے شخص کو تلاش کر کے لاؤ جو کبھی مدائن کے قلعے میں رہ چکا ہو اور عشر فیل پہلوان کو بھی جانتا ہو۔

غلام یہ حکم پا کر اپنے لشکر میں گیا اور پُوچھ گُچھ شروع کی۔ اُسے بہت جلد ایک ایسا شخص مل گیا جو کسی زمانے میں عشر فیل پہلوان کا دوست رہ چکا تھا اور اب اس سے ناراض ہو کر حشّام کے سپاہیوں میں بھرتی ہو گیا تھا۔ غلام نے اُس آدمی کو حشّام کی خدمت میں پیش کیا۔ حشُام نے سر سے پاؤں تک اس کو دیکھا

اور کہا۔

"کیا تم غشر فیل پہلوان کو جانتے ہو؟"

"ہاں جناب، میں اور وُہ برسوں ایک ہی مکان میں رہے ہیں۔"

"خوب، تب تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ اس پہلوان میں خوبیاں کون سی ہیں اور خامیاں کون سی؟"

"میں سب کُچھ جانتا ہوں جنابِ عالی۔"

"پہلے غشر فیل کی خوبیاں بیان کرو۔" حشّام نے کہا۔

"جناب، وہ بڑا بہادر، بے خوف اور طاقتور آدمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا نام نوشیرواں نے اپنے ایک ہاتھی کے نام پر رکھا ہے۔ لڑنے بھِڑنے میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

"اور خامیاں کیا ہیں؟"

”جناب والا، اس میں خامیاں تو بہت سی ہیں، مگر ایک خامی ایسی ہے جس پر وُہ کسی طرح بھی قابو نہیں پا سکتا۔ وہ خامی یہ ہے کہ وُہ اپنی تعریف اور خوشامد سے بڑا خوش ہوتا ہے۔ اکثر لوگ جھوٹی موٹی تعریف کر کے بہت سی دولت اس سے اینٹھ لیتے ہیں۔“

”واہ واہ۔ یہ تو بڑے کام کی بات تم نے بتائی۔“ حشّام نے خوش ہو کر کہا۔ ”ایسے آدمی پر قابو پانا کُچھ مشکل نہیں۔“ یہ کہہ کر اس کو انعام دے کر رُخصت کیا۔

صبح سویرے حشّام نے اپنی فوجوں کو تیّاری کرنے کیا حکم دیا لیکن حملے سے پہلے خود گھوڑا دوڑا کر فصیل کے قریب پہنچا اور وہاں کھڑے ہوئے سپاہیوں کو بلند آواز سے پکار کر کہا۔

”میرا نام حشّام ہے۔ میں غشر فیل پہلوان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“

سپاہیوں نے فوراً پہلوان کو خبر کی اور اپنی جانب سے نمک مرچ لگا کر کہنے

لگے۔

"شاید آپ کی بہادری کا رُعب حشّام پر بیٹھ گیا ہے۔ تبھی وہ صلح کی درخواست لے کر آیا ہے۔"

یہ سُن کر عشر فیل کی کھوپڑی میں کھُد بھُد شروع ہوئی۔ دِل میں خوش ہُوا، سینہ پھُلا، دانت نکال، قلعے کی فصیل پر آن کھڑا ہُوا اور اپنی گرج دار آواز میں حشّام سے کہنے لگا۔

"میرا نام عشر فیل ہے۔ کہو کیا ارادے ہیں۔ لڑو گے یا اُلٹے قدموں واپس جانے کی تیاری ہے؟"

"جناب، میرے باپ دادا کی توبہ جو میں آپ سے لڑنے کی بات کروں۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ قلعے میں آپ موجود ہیں۔ میں آپ کا نام اور کارنامے سُن چُکا ہوں اور مجھے آپ سے ملاقات کا بڑا شوق تھا۔ مگر افسوس کہ ان حالات میں ملاقات کی۔ میری خطا معاف فرمایئے۔ میں آج حشّام یہاں سے رُخصت

ہو جاؤں گا۔ آپ سے لڑنے کی ہمت نہیں۔ جی چاہے تو تھوڑی دیر کے لیے قلعے سے باہر تشریف لائیے تاکہ میں آپ کے قدم چوم لوں۔"

عشر فیل نے حشّام کے منہ سے یہ خوشامدانہ جملے سُنے تو خوشی کے مارے سب کُچھ بھول گیا۔ اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ نوشیرواں نے کیا ہدایت کی تھی۔ اسی وقت فوج کے ساتھ بڑی شان و شوکت سے باہر نکل آیا تاکہ حشّام کو اپنے پاؤں چومنے کا موقع عطا کرے۔

حشّام صبر سے اپنی جگہ کھڑا رہا اور جب اس نے دیکھا کہ پہلوان اپنی فوج کو پُوری طرح میدان میں لے آیا ہے تو اس نے یکایک زبردست نعرے لگا کر اپنے سپاہیوں کو ہلّا بولنے کا حکم دیا۔ حشّام کے سپاہی بھوکے شیروں کی طرح عشر فیل پہلوان کی فوج پر ٹوٹ پڑے اور تھوڑی ہی دیر میں لاشوں کے انبار میدانِ جنگ میں نظر آنے لگے۔ پہلوان سمجھ گیا کہ حشّام نے چکما دے کر بُلایا تھا۔ وُہ جان بچانے کے لئے قلعے کی طرف بھاگا مگر حشّام نے اسے بھاگنے کا موقع نہ دیا۔ اس نے پہلوان کے سینے میں اس زور سے نیزہ مارا کہ اس کی اَنی

سینہ توڑتی ہوئی نکل گئی۔ ایک ہولناک چیخ کے ساتھ پہلوان زمین پر گرا اور تڑپنے لگا۔ اسی لمحے حشّام نے تلوار سے اس کا سر کاٹ کر نیزے پر چڑھا دیا۔

پہلوان کی فوج نے جب اپنے سپہ سالار کا یہ حشر دیکھا تو اس کے پاؤں اُکھڑ گئے اور حشّام آناً فاناً شہر کے اندر جا گھُسا۔ کئی ہزار لوگوں کو قتل کیا اور ان کے مکان لوٹ لیے۔ پھر بادشاہ کے محل کا رُخ کیا، اسے بھی جی بھر کر برباد کیا اور نوشیرواں کے تخت اور تاج پر بھی قبضہ جما لیا۔ اب اس کے ظلم کی کوئی حد نہ رہی۔ لوگ اسے دیکھتے ہی سجدے میں گر جاتے۔ نوشیرواں کی فوج کے وُہ سپاہی جن کی جانیں بچ گئی تھیں، اب حشّام کی فوج میں شامل ہو چکے تھے۔

مدائن کو تہس نہس کرنے کے بعد حشّام نے وہاں سے کوچ کیا اور ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں دو راستے نکلتے تھے۔ ایک راستہ خیبر کو اور دوسرا مکّے کو جاتا تھا۔ حشّام فتح اور طاقت کے نشے میں چُور تھا، اس لیے خیبر جانے کے بجائے اس نے مکّے کا راستہ اختیار کیا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔

”میں نے سُنا ہے کہ مکّے میں ایک ایسا شخص پیدا ہُوا ہے جو عرب کے تمام

پہلوانوں کو ہرا چکا ہے۔ اس نے بہت بڑی فوج تیار کی ہے اور حال ہی میں یمن کے بادشاہ کو بھی شکست دی ہے۔ میں اس شخص سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتا ہُوں۔"

اس کے ساتھیوں نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور پھر ایک لاکھ سپاہیوں کا ایک لشکر مکّے کو تباہ کرنے کی نیّت سے روانہ ہُوا۔

اُدھر خواجہ عبدالمطلب کے کانوں تک بھی خبر پہنچ گئی کہ حشّام ڈاکو ایک زبردست فوج لے کہ مکّے پر پڑھائی کے ارادے سے آ رہا ہے۔ اس خبر سے مکّے کے لوگوں کے ہوش اُڑ گئے اور وہ حشّام کے خوف سے تھَر تھَر کانپنے لگے۔ خواجہ عبدالمطلب سیدھے خانہ کعبہ میں گئے اور رُو رُو کر خُدا سے دُعا مانگنے گئے کہ اے خدا، دشمن تیرے گھر کو برباد کرنے کی نیّت سے اِدھر آتا ہے۔ اب تو ہی اس کے حملے سے اپنے گھر اور اس شہر میں رہنے والوں کی حفاظت کر سکتا ہے۔

خواجہ عبدالمطلب کی دُعا خدا نے قبول کی اور اسی رُوز امیر حمزہ ملک یمن کو فتح

کرنے کے بعد اپنی فوج کے ساتھ واپس آ گئے۔ خواجہ صاحب نے اپنے بہادر بیٹے کو سینے سے لگایا اور یمن کی فتح پر مبارکباد دی۔ مگر پھر فوراً ہی ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ امیر حمزہ بے چین ہو کر کہنے لگے۔

"ابّا جان! آپ ہنسنے کی بجائے روتے کیوں ہیں؟ کیا میری کسی بات سے رنج پہنچا ہے؟"

"نہیں بیٹا، رنج کیسا۔ میں تو اس لیے روتا ہوں کہ حشّام ڈاکو ایک لاکھ سپاہیوں کی فوج لے کر مکّے کی طرف آ رہا ہے۔ وُہ خدا کی مخلوق کا قتلِ عام کرنے کے ساتھ ساتھ خانہ کعبہ کو بھی برباد کرے گا۔"

امیر حمزہ مسکرائے۔ انہوں نے کہا۔

"بس اتنی سی بات پر آپ فکر مند ہو گئے۔ یہ تو اچھا ہی ہُوا کہ حشّام خود اِدھر آ رہا ہے۔ ورنہ مجھے اس کے پیچھے جانا پڑتا۔ اُسے آنے دیجئے، خُدا نے چاہا تو وُہ میرے ہاتھ سے بچ کر نہیں جائے گا۔"

"بیٹا، تم نہیں جانتے کہ وُہ کیسا ظالم اور بے رحم شخص ہے۔" خواب عبدالمطلب نے کہا "جب اس نے نوشیرواں جیسے طاقت ور بادشاہ کو شکست دے دی تو تُم کیا کر لو گے؟ بہتر یہی ہے کہ ہم لوگوں کو ہمارے حال پر چھوڑ دو اور خود ملک حبشہ کی جانب چلے جاؤ۔ میں حبشہ کے بادشاہ کو خط لکھ دیتا ہوں۔ وُہ تمہیں اپنے ملک میں حفاظت سے رکھّے گا۔`

"ابّا جان! آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔" امیر حمزہ نے کہا۔ "اپنے عزیز شہر اور اس شہر کے لوگوں کو دُشمن کے رحم پر چھوڑ کر میں حبشہ ہر گز نہ جاؤں گا۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کے بیٹے کو بزدلی کے طعنے دیں؟ آپ بالکل فکر نہ کیجئے۔ شکست اور فتح خُدا کے ہاتھ میں ہے اور مجھے اس کی ذات سے اُمّید ہے کہ وُہ ہمیں حشّام کے مقابلے میں کبھی ذلیل نہ ہونے دے گا۔"

بہادر بیٹے کی یہ باتیں سُن کر خواجہ عبدالمطلب کو کُچھ تسلّی ہوئی۔ امیر حمزہ نے ان کے ہاتھ چومے اور کہا۔

"آپ اب گھر جا کر آرام فرمایئے۔ حشّام اگر آیا تو میں اس سے نِبٹ لوں گا۔"

خواجہ عبدالمطلب نے بیٹے کو سینے سے لگایا پھر دونوں سیدھے خانہ کعبہ میں گئے اور خُدا سے اس جنگ میں کامیابی کی دعائیں مانگنے لگے۔

شام کے وقت امیر حمزہ کی فوج کے چند سوار شہر میں آئے اور انہوں نے خبر دی کہ حشّام کا لشکر آن پہنچا اور اس وقت مکّے سے کوئی دس میل کے فاصلے پڑاؤ کر رہا ہے۔ امیر نے اسی وقت اپنی فوج میں سے تین ہزار جان باز سپاہی چُن لیے اور جب سورج چھپ گیا اور رات کے اندھیرے تیزی سے پھیلنے لگے تو تین ہزار کا یہ دستہ امیر حمزہ کی سپہ سالاری میں مکّے سے باہر نکلا۔ اُن کے گھوڑے آہستہ آہستہ چل رہے تھے اور کوئی شخص ایک دُوسرے سے بات نہ کرتا تھا۔ امیر حمزہ نے فیصلہ کیا تھا کہ آدھی رات کو جب حشّام کے تھکے ماندے سپاہی بے خبر پڑے سو رہے ہوں گے اُن پر اچانک حملہ کیا جائے۔ اسے دشمن پر شب خون مارنا کہتے ہیں۔

جب امیر حمزہ اور اُن کا فوجی دستہ مکّے سے دس میل دور پہنچا تو ایک ویران پہاڑ کے دامن میں حشّام کا لشکر پڑاؤ کیے ہوئے نظر آیا۔ گھوڑوں کے ہنہنانے

کی آوازیں صاف آرہی تھیں اور کہیں کہیں چربی سے جلنے والی مشعلیں بھی روشن تھیں۔ لشکر کے اکثر سپاہی خراٹے لے رہے تھے اور ان کی حفاظت کرنے والے پہرے دار بھی اُونگھ رہے تھے۔ لشکر کے عین درمیان میں ایک اونچے ٹیلے پر بُہت بڑا خیمہ لگا ہُوا تھا۔ معلوم ہُوا کہ یہی خیمہ حشّام کا ہے۔ امیر کے ساتھیوں کی رائے تھی کہ دشمن اس وقت بے خبر سویا پڑا ہے۔ فوراً ہلہ بول دیا جائے۔ لیکن انہوں نے اس رائے کو نہیں مانا۔ کہنے لگے کہ سوئے ہوئے دشمن پر حملہ کرنا بہادری نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اُسے پہلے خبر دار کر دیا جائے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے ساتھیوں کو حشّام کے لشکر کے گرد گھیرا ڈالنے کا حکم دیا اور پھر اپنا گھوڑا آگے بڑھا کر ایک ٹیلے پر جا کھڑے ہوئے۔ یہاں سے حشّام کا لشکر دور دور تک نظر آتا تھا۔ اپنے سپہ سالار کے اشارے پر جبران نے لوہے کا بنا ہُوا ایک قرنا (بگل) نکال کر مُنہ سے لگایا اور اس زور سے بجایا کہ اس کی آواز سے حشّام کے سپاہی ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے۔ اتنے میں امیر حمزہ نے گرج دار آواز میں نعرہ لگایا اور کہا۔

”حشّام کے سپاہی اور سردارو، سُن لو اور جان جاؤ کہ میرا نام حمزہ ہے اور میں مکّے کے سردار خواجہ عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ اب تم پر حملہ کرتا ہوں۔ ہوشیار اور خبردار ہو جاؤ۔“

یہ سُن کر حشّام کے سپاہیوں میں دہشت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ چیخ و پکار اور ہنگامہ برپا ہُوا۔ بھاگتے ہوئے سپاہی ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے اور آپس میں گتھّم گتھّا ہو گئے۔ ادھر امیر حمزہ نے حملے کا حکم دیا اور اُن کے تین ہزار سپاہی بجلی کی مانند دشمن پر گرے۔ رات بھر تلوار چلتی رہی، حشّام کے سپاہی کٹ کٹ کر گِرتے رہے، ہر طرف لاشوں کے ڈھیر لگے تھے اور خون کی ندّی بہہ رہی تھی۔ لیکن حشّام اس ہنگامے سے بے خبر اپنے خیمے میں پڑا سو رہا تھا۔

صبح جب مشرق سے سورج نکلا اور روشنی پھیلی تو حشّام کو خبر ملی۔ وُہ غصّے سے کانپتا ہُوا خیمے سے باہر آیا اور اپنے ایک سردار سے پوچھنے لگا۔

”ہمارے لشکر پر کِس نے حملہ کرنے کی جرأت کی ہے؟“

”حضور، یہ حرکت امیر حمزہ کی ہے۔ اُس نے رات کی تاریکی میں ہمارے لشکر پہ شب خون مارااور بیس ہزار سپاہی قتل کر ڈالے۔“

حشّام کی آنکھیں کبوتر کے خون کی مانند سرخ ہو گئیں۔ چڑِ کر کہا۔

”اس کا مطلب یہ ہے کہ امیر حمزہ کی موت اسے خود ہی ہمارے پاس گھسیٹ لائی ہے۔ اچھا، ابھی اس کی خبر لیتا ہوں۔“

یہ کہہ کر مُنہ سے جھاگ اُڑاتا ہُوا اپنے خیمے میں گیااور ہتھیار بدن پر سجا کر اور ایک وحشی گینڈے پر سوار ہو کر میدان جنگ میں آیا۔ اس وقت جس نے بھی اس کو دیکھا، کانپ گیا۔ اس کے سر پر چمکدار فولادی خود دھرا تھا جس پر کسی جانور کے خوب صورت بال لپٹے ہوئے تھے۔ جسم پر فولادی زرہ، پیٹی میں کئی کئی خنجر، دائیں ہاتھ میں تلوار، پُشت پر کمان اور زہریلے تیروں سے بھرا ہُوا ترکش۔ گینڈے کی گردن سے بندھا ہُوا لمبا نیزہ اور دُم سے لٹکا ہُوا بڑا کلہاڑا۔ وہ نعرے لگاتا ہُوا میدانِ جنگ میں گیا اور کہنے لگا۔

”میرا نام حشّام ہے اور میں علقمہ ڈاکو کا بیٹا ہوں۔ نوشیرواں کو میں نے شکست دی اور میرے نام سے سارا جہان تھر تھر کانپتا ہے۔ میں اپنے وقت کا رستم ہوں۔ جس کو موت کی آرزو ہے، میرے سامنے آئے۔“

امیر حمزہ نے گھوڑا بڑھایا اور میدان میں پہنچ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک دیو جیسا شخص جس کے چہرے کا رنگ توے کی مانند کالا ہے، وحشی گینڈے پر سوار، ہتھیار بدن پر سجائے، میدانِ جنگ میں گھوم رہا ہے۔

”یا امیر، یہی حشّام ہے۔“ عمرو نے ڈر کر کہا۔ ”اس سے مقابلہ کرنا آسان نہیں۔“

”فکر نہ کرو۔ دیکھتے جاؤ اس کا کیا حشر ہوتا ہے۔“ امیر حمزہ نے کہا اور بلند آواز سے حشّام کو آواز دی۔

”او ڈاکو کے بچّے۔۔ اِدھر آ۔۔۔ میں امیر حمزہ ہوں اور تیری موت بن کر یہاں آیا ہوں۔ یاد رکھ اگر تو نے میری اطاعت قبول نہ کی اور میرے

قدموں پر سر نہ رکھا تو تیرا سر میری ٹھوکروں میں ہو گا۔"

حشّام نے یہ آواز سنی، پلٹ کر دیکھا اور گینڈے کو بھگاتا ہُوا امیر حمزہ کے نزدیک آ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سیاہ رنگ کے ایک شاندار گھوڑے پر ایک عرب نوجوان بیٹھا ہے اور اس کا چہرہ چاندی کی مانند سورج کی دھوپ میں چمکتا ہے۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ ہے اور چہرے پر ایسا اطمینان ہے، جیسے میدانِ جنگ میں نہیں، کسی پُر فضا باغ میں سیر کرنے آیا ہے۔

حشّام نے امیر حمزہ، اُن کے گھوڑے اور ہتھیاروں کو دیکھنے کے بعد نرم آواز میں کہا۔

"اے عرب نوجوان۔ مجھے تیری خوب صورتی اور جوانی پر ترس آتا ہے۔ اگرچہ تو نے میری شان میں گستاخی کی ہے، لیکن میں تجھے اس شرط پر معاف کر دوں گا کہ اپنا یہ گھوڑا اور تمام ہتھیار میرے حوالے کر دے اور میری اطاعت قبول کر۔ ورنہ تو میری قوت اور ہیبت سے واقف ہے۔ میرے سامنے جب نوشیرواں جیسا شان و شوکت والا بادشاہ نہ ٹھہر سکا تو تیری ہستی

کیا ہے۔ یاد رکھ، اِنکار کرے گا تو نہ صرف تُجھے اور تیری فوج کو بلکہ تیرے شہر کے ایک ایک بچّے کو قتل کر ڈالوں گا۔ مکانوں کو جلا کر راکھ کر دوں گا۔ اور تمہاری لاشوں پر رونے والا بھی کوئی نہ رہے گا۔"

حشّام نے ابھی یہ الفاظ کہے ہی تھے کہ عُمرو بول اُٹھا۔

"واہ میرے شیر، کیا تقریر کی ہے۔ میں تو سمجھتا تھا کہ تو واقعی بہادر آدمی ہو گا۔ مگر اب پتا چلا ہے کہ تو صرف باتیں بنانا ہی جانتا ہے۔ ابھی تیری سب قلعی کھل جاتی ہے۔"

"یہ کون بدنصیب ہے؟" حشّام عُمرو کی طرف دیکھ کر بولا۔ پاس کھڑے ہوئے ایک شخص نے بتایا کہ "یہ امیر حمزہ کے دوستوں میں سے ہے۔ عُمرو اس کا نام ہے۔ اس کی چالاکی اور عیّاری سے سب پناہ مانگتے ہیں۔"

"میں نے اس کا نام سُنا ہے۔ مگر اب لوگ اسے بھول جائیں گے۔ کیوں کہ یہ اس کی زندگی کا آخری دن ہے۔" حشّام نے چِلاّ کر کہا اور تلوار نکال کر عُمرو کی

طرف جھپٹا مگر امیر حمزہ نے اس کا راستہ روک لیا اور کہا۔

”ارے بزدل، اُدھر کہاں جاتا ہے؟ ہمّت ہے تو مجھ سے مقابلہ کر۔“

حشّام کو طیش آیا، گینڈے کی گردن پر اس زور کا ہاتھ مارا کہ گینڈا تھرّا گیا اور اس تیزی سے دوڑ کر امیر حمزہ کی طرف آیا کہ زمین کانپنے لگی۔ امیر حمزہ نے پھُرتی سے اپنے گھوڑے کو پرے ہٹایا اور حشّام کا گینڈا اپنے ہی زور میں دور تک دوڑتا چلا گیا اور وہاں سے پھر پلٹا۔

”یہ تیرا گینڈا ہے یا خرگوش؟“ عُمرو نے قہقہہ لگا کر کہا۔

اب تو حشّام کا رنگ تانبے کی طرح سرخ ہو گیا۔ نیزہ تان کر امیر حمزہ کی جانب لپکا۔ امیر نے بھی اپنا نیزہ سبنھال لیا اور حشّام کے نیزے پر پوری قوت سے مارا۔ نیزہ اُس کے ہاتھ سے چھُوٹ کر دور جا گرا۔ اب اس نے تلوار سونت لی اور پھر دونوں میں ایسی تلوار بازی ہوئی کہ دوست اور دشمن، سبھی عَش عَش کر اُٹھے۔

کبھی امیر حمزہ حشّام کو دھکیلتے ہووئے دُور تک لے جاتے اور کبھی حشّام امیر حمزہ کو دھکیل کر میدانِ جنگ کے کنارے لئے جاتا۔ - آخر دونوں پسینے میں تَر ہو گئے اور ہانپنے لگے۔ مگر ہار جیت کا فیصلہ نہ ہو سکا۔ یکایک امیر حمزہ نے اللّٰہ اکبر کا ایسا نعرہ مارا کہ حشّام کی بوٹی بوٹی کانپ اُٹھی اور تلوار اس ظالم کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر چھِن سے گری۔ اُسی وقت امیر نے اُس کے سر پر پوری طاقت سے تلوار ماری جو اس کی فولادی ٹوپی کو کاٹتی ہوئی کھوپڑی میں اُتری اور پھر کھوپڑی کو دو حصّوں میں تقسیم کر کے سینے تک پہنچی۔ حشّام دھڑام سے زمین پر آن گرا۔ اپنے سردار کو مرتا دیکھ کر اس کے لشکر میں غُل مچا اور سپاہی بھاگنے لگے۔ مگر امیر حمزہ کے آدمیوں نے انہیں بھاگنے کا موقع نہ دیا اور گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگے۔ آخر انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا۔

حشّام نوشیرواں کا تاج اور تخت مدائن سے لایا تھا۔ وُہ امیر حمزہ نے حاصل کیا۔ اس کے علاوہ ان تمام قیدیوں کو رہائی دلائی جنہیں حشّام غلام بنا کر مدائن سے

پکڑ لایا تھا۔ یہ لوگ امیر حمزہ کی جان کو دعائیں دیتے ہوئے اپنے وطن کی جانب روانہ ہوئے۔

امیر حمزہ اس عظیم الشّان فتح کے بعد خُوشی کے شادیانے بجاتے ہوئے مکّے میں واپس آئے۔ مکّے کے لوگوں نے ان کا شان دار اِستقبال کیا۔ رات کو سارے شہر میں چراغاں ہُوا اور مٹھائی تقسیم کی گئی۔ نوشیرواں کا قیمتی تخت اور تاج خواجہ عبدالمطلب نے اپنے گھر میں حفاظت سے رکھوایا۔ اگلے روز ایک خط لکھ کو مُقبِل وفادار کو دیا کہ نوشیرواں کے حضور میں لے جائے، اس میں لکھا تھا کہ امیر حمزہ نے حشّام کو قتل کر کے آپ کا تخت اور تاج اس سے چھین لیاہے۔ اگر حکم ہو تو یہ سب سامان مدائن روانہ کیا جائے۔ مُقبِل وفادار نے اسی وقت سفر کی تیاری کی۔ خواجہ صاحب نے اسے نوشیرواں کے لئے بے شمار قیمتی تُحفے دیے اور یہ قافلہ مدائن کی طرف دوانہ ہو گیا۔

حیرت انگیز کارنامہ

چالیس دن جنگل میں رہنے کے بعد جب نوشیر واں مدائن میں آیا تو شہر کا عجیب حال دیکھا۔ سارا شہر ویران اور برباد پڑا تھا اور قلعے میں ہر طرف سپاہیوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ زخمیوں کی کوئی گنتی نہ تھی۔ لاشوں کو کتّے اور گدھ نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ بادشاہ کا محل لُٹ چکا تھا اور سارا قیمتی سامان غائب تھا۔ دُشمن، نوشیر واں کا تخت اور تاج بھی لے گیا تھا۔

اس تباہی اور بربادی کو دیکھ کر نوشیر واں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہی حال بزُرجمہر کا تھا۔ معلوم ہُوا کہ عشر فیل پہلوان نے بادشاہ کی ہدایت پر عمل نہ کیا اور قلعے سے باہر نِکل کر حشّام سے لڑنے چلا گیا۔ آخر اس نے دھوکے سے پہلوان کو قتل کیا اور مدائن شہر میں آن کر لُوٹ مار اور قتلِ عام کیا۔

نوشیر واں نے بزُرجمہر سے کہا۔

"میں نے جو خواب دیکھا، وُہ بالکل بالکل سچ نکلا۔ مگر اس خواب کی جو تعبیر تم نے بتائی تھی، وُہ اب تک سامنے نہیں آئی۔ تُم نے کہا تھا کہ حشّام قتل ہو گا اور میرا تخت و تاج واپس مل جائے گا؟"

"حضور، زیادہ رنج نہ کریں۔ خُدا نے چاہا تو آپ کے خواب کی تعبیر بہت جلد پوری ہو گی۔"

نوشیر واں نے زبان سے کُچھ اور نہ کہا مگر اس کے تیوروں سے انداز ہوتا تھا کہ بزُرجمہر کی بات سے اس کے دل کو اطمینان نہیں ہُوا۔ بادشاہ کی یہ حالت دیکھ کر بختک وزیر کے دل میں شیطان نے ڈیرا جمایا۔ سوچنے لگا کہ اس وقت بادشاہ بزُرجمہر سے ناراض ہے۔ اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر بزُرجمہر کے خلاف بادشاہ کو بھڑکانا چاہیے۔

اس نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو جمع کیا۔ یہ ساسانی نسل کے تھے۔ بختک نے

ان سے کہا۔ ”بھائیو، یہ سب بزُرجمہر کی نادانی کی وجہ سے ہُوا کہ حشّام جیساڈاکو شہر پر چڑھ گیااور اس نے تمہارے مکان لوٹے، تمہارے آدمیوں کو قتل کیا اور تمہاری عورتوں اور بچّوں کو غلام بناکر لے گیا۔ بادشاہ اگر شہر میں ہوتا تو حشّام کواس کامقابلہ کرنے کی جرأت ہی نہ ہوتی۔ بزُرجمہر نے بادشاہ کومشورہ دیاتھاکہ شہر چھوڑ کر جنگل کو چلا جائے۔ اصل میں یہ شخص ہماری قوم کادشمن ہے۔ اب موقع آیاہے کہ بادشاہ سے اس کی شکایت کی جائے۔ تم لوگ روتے پیٹتے اور سروں پر خاک ڈالتے ہوئے محل کی طرف جاؤ اور بادشاہ سے فریاد کرو۔ میں بھی وہاں پہنچتاہوں۔“

بختک نے لوگوں کو خوب سکھاپڑھاکر ایک جلوس کی صورت میں نوشیرواں کے محل کی جانب روانہ کر دیااور آپ اُن سے پہلے محل میں پہنچ کر نوشیرواں کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑاہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد بادشاہ نے محل کے باہر بہت سے لوگوں کے رونے پیٹنے اور چیخنے چلّانے کی آوازیں سُنیں۔ حیران ہُوا اور بختک سے کہنے لگا۔

”معلوم کرو کہ یہ لوگ کیوں روتے ہیں اور یہاں کس لیے آئے ہیں؟“

بختک محل کے جھروکے پر گیا اور چند منٹ بعد واپس آکر بادشاہ سے کہا۔

”جہاں پناہ، قوم ساسانی کے کُچھ لوگ اپنی مُصیبت کی کہانی کہنے آئے ہیں۔ باہر تشریف لا کر اُن کی تسلی کر دیجیئے۔“

نوشیرواں یہ سُن کر اُٹھا اور محل کے جھروکے پر جا کھڑا ہُوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ کئی ہزار مرد عورتیں اور بچّے باہر کھڑے چھاتی پیٹ پیٹ کر رو رہے ہیں اور ان کی زبانوں پر بزرُ جمہر کا نام ہے۔ ہر شخص چلّا چلّا کر کہہ رہا ہے۔

”بزرُجمہر غدّار ہے۔۔۔ نمک حرام ہے۔۔۔۔ اس نے دشمن کو یہاں بُلایا۔ اسے پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔“

بادشاہ نے یہ نعرے سُنے اور بزرُ جمہر کی جانب دیکھا جو چُپ چاپ کھڑا تھا۔ آخر بادشاہ نے ہاتھ اوپر اٹھایا۔ ماتم کرنے والے لوگ خاموش ہُوئے، تب بادشاہ نے کہا۔

"تم لوگ کیا چاہتے ہو اور بزُرجمہر نے تمھیں کیا نقصان پہنچایا؟"

"جہاں پناہ کا اقبال بلند ہو۔۔۔" ہجوم میں سے ایک شخص چلّایا۔ "بزُرجمہر آپ کا اور ہمارا دشمن ہے۔ اگر یہ شخص حضور کو شہر چھوڑ کر جنگل میں جانے کا مشورہ نہ دیتا تو حشّام کبھی اِدھر آ کر ہمارے آدمیوں کو موت کے گھاٹ نہ اتارتا اور نہ اُسے حضور کا تخت اور تاج چھین کر لے جانے کی جرأت ہوتی۔ یہ سب کیا دھرا اسی بزُرجمہر کا ہے جو عقل مند بنتا ہے۔ قوم اور ملک سے غداری کرنے والے کی سزا موت ہے، اس لیے بزُرجمہر کو اسی وقت ہمارے سامنے ہلاک کیا جائے۔ ورنہ جہاں پناہ۔ ہم کو اجازت دیں کہ ہم یہ شہر ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلے جائیں۔"

یہ کہہ کر اُن شریر لوگوں نے سروں پر خاک ڈالنی شروع کی اور سینے پیٹ پیٹ کر رونے لگے۔ نوشیرواں نے غضب کی نظر سے بزُرجمہر کر دیکھا اور کہنے لگا۔

"بولو، جواب دو۔ یہ لوگ کیا کہتے ہیں؟ اگر تم نے اپنی صفائی پیش نہ کی تو ہم

تمھیں زندہ دفن کرادیں گے۔"

"جہاں پناہ! میں اس سے زیادہ کُچھ نہیں کہہ سکتا کہ آپ ذرا صبر سے کام لیں۔ ان لوگوں کی باتوں پر نہ جائیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ یہاں خود نہیں آئے۔ انہیں سکھا پڑھا کر لایا گیا ہے۔"

یہ سُن کر بختک کے ہوش اُڑے۔ دل میں ڈرا کہ شاید کسی ذریعے سازش کا پتا چل گیا ہے جو میں نے اپنی قوم کے لوگوں سے مِل کر کی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ نوشیرواں اپنی رائے بدل دے۔ یہ سوچ کر آگے بڑھا، نوشیروں کے آگے جھُک گیا اور کہنے لگا۔

"جہاں پناہ، آپ اِن بد نصیبوں کی فریاد پر غور کیجئے۔ ان کا سب کُچھ لُٹ گیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچّے یتیم اور سینکڑوں عورتیں بیوہ ہو گئی ہیں۔ یہ لوگ آپ سے انصاف طلب کرتے ہیں، اگر کوئی شخص ان لوگوں کی نظروں میں مجرم ہے تو آپ اسے سزا دیے بغیر نہ چھوڑیں۔"

ابھی نوشیر واں کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ شہر میں کُچھ شور وغُل مچا اور پھر ایک جلوس آتا دکھائی دیا۔ چند لمحے بعد گھڑ سواروں کا یہ جلوس محل کے نیچے آن کر رُکا۔ سب سے آگے آنے والا ایک فوجی سپاہی جلدی سے گھوڑے سے نیچے کودا اور گھٹنوں کے بل جھک کر بادشاہ کو سلام کیا اور پھر سیدھا کھڑا ہُوا اور کہنے لگا۔

"حضور، یہ غلام ایک خوشخبری لایا ہے۔ حشّام ڈاکو اور اس کی فوج کو امیر حمزہ نے قتل کر دیا ہے اور جن ہزاروں آدمیوں کر وہ مدائن سے قید کر کے لے گیا تھا وُہ سب لوگ بھی آزاد ہو ہو کر واپس آ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ امیر حمزہ نے حضور کا تخت اور تاج بھی حشّام سے چھین لیا ہے۔ اب ان کا ایک وفادار دوست جس کا نام مُقبِل ہے، حضور کے نام مکّے کے سردار خواجہ عبدالمطلب کا خط لے کر آیا ہے اور مدائن سے چار میل دور اُترا ہے۔ اجازت ہو تو امیر حمزہ کا ایلچی دربار میں حاضر ہو کر خط پیش کرے۔"

نوشیر واں کا چہرہ خوشی سے کِھل اُٹھا۔ اُسی وقت بزُرجمہر کو گلے لگا لیا اور کہا

"اے اُستاد میرا قصور معاف کرو۔ میں نے تمہاری شان میں گستاخی کی تھی اور یہ سب کُچھ اِس بد معاش بختک کی کارستانی معلوم ہوتی ہے۔ اسے ایسی سزا دوں گا کہ اس کی سات پُشتیں یاد کریں گی۔"

بزُرجمہر نیک اور شریف آدمی تھا۔ اِس نے کہہ سُن کر بختک کا قصور معاف کرا دیا۔ پھر نوشیرواں سے کہا کہ فوج کا ایک دستہ مُقبِل وفادار کے استقبال کے لیے روانہ کیا جائے تا کہ وُہ اسے دھوم دھام سے شہر میں لائے۔

اگلے روز صُبح نوشیرواں نے دربار کیا اور مُقبِل وفادار بادشاہ کے حضور میں آیا ۔ اس نے پہلے دو زانو ہو کہ بادشاہ اور پھر بزُرجمہر کو سلام کیا۔ اس کے بعد ہاتھی دانت کا بنا ہُوا ایک نہایت خوب صورت صندوقچہ کھول کر اس میں سے خواجہ عبدالمطلب کا خط نکالا جو سبز ریشم کی ایک تھیلی میں بند تھا۔ یہ خط ایک خوشبودار اور پتلے چمڑے پر لکھا گیا تھا۔ بادشاہ نے خط پڑھا اور خُوش ہُوا۔

مُقبِل وفادار اور اس کے ساتھیوں کر انعام سے نوازا اور حکم دیا کہ ہر روز دربار میں آیا کریں اور دوپہر کا کھانا ہمارے ساتھ کھائیں۔

ایک روز بڑا عجیب واقعہ ہُوا۔

لوگوں نے دیکھا کہ سُرمئی رنگ کی ایک خوب صورت اور ننھی مُنی فاختہ آئی اور نوشیرواں کے محل کی سب سے اونچی بُرجی کے کلس پر جا بیٹھی۔ یہ کلس سونے کا بنا ہُوا تھا۔ فاختہ کی گردن میں سیاہ رنگ کا بنا ہُوا ایک باریک، مگر بے حد زہریلا سانپ لپٹا ہُوا تھا۔

اُسی وقت نوشیرواں کو خبر مِل گئی۔ بادشاہ اپنے وزیروں، امیروں اور پہلوانوں کے ساتھ باہر نکلا اور اس کی جانب دیکھنے لگا۔ لوگوں نے ٹھیک کہا تھا۔ فاختہ کی گردن میں سانپ لپٹا ہُوا نظر آرہا تھا۔ نوشیرواں نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔ ”یہ فاختہ اپنی فریاد لے کر ہمارے محل میں آئی ہے۔ مگر افسوس کہ ہم اس کی کوئی مدد نہیں کرسکتے۔“

ایک پہلوان آگے بڑھا اور عرض کیا ”اجازت ہو تو غلام اپنے تیر سے اس سانپ کو ہلاک کرے؟“

نوشیرواں اس کی طرف دیکھ کہ ہنسا اور کہا۔

"لیکن یہ سچ لو کہ اگر تمہارے تیر سے سانپ کے بجائے فاختہ ہلاک ہو گئی تو ہم تمہیں بھی زمین میں گڑوا کر تیروں سے چھلنی کرا دیں گے۔"

یہ سُن کر پہلوان کانپتا ہُوا پیچھے ہٹ گیا۔ اب نوشیرواں نے اپنے سب سپاہیوں اور نشانچیوں سے کہا کہ جو شخص فاختہ کو نقصان پہنچائے بغیر سانپ کو ہلاک کرے گا، اسے ہم اپنے گلے کی مالا عطا کریں گے۔ اس مالا میں اٹھارہ موتی ہیں اور ہر مرتی کبوتر کے انڈے کے برابر ہے۔ ایسی مالا دنیا میں کسی اور بادشاہ کے پاس نہیں ہے۔

اتنے انعام کا وعدہ بادشاہ کی طرف سے کیا گیا، مگر کوئی بھی سُورما اسے حاصل کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ آخر مُقبِل وفادار آگے بڑھا اور ادب سے کہا۔

"حضور، اجازت ہو تم یہ غلام قسمت آزمائے؟"

"اجازت ہے۔ لیکن فاختہ کو ہلکی سی خراش بھی نہ آئے۔" بادشاہ نے کہا۔

”جہاں پناہ کے اقبال سے ایسا تیر ماروں گا جو سانپ کو فاختہ کے گردن سے اس طرح نکالے گا جس طرح مکّھن میں سے بال نکالا جاتا ہے۔“مُقبِل نے کہا اور تیر کمان لے کر محل کے صحن میں آیا۔ ہزارہالوگ محل کے اندر اور باہر کھڑے یہ تماشا دیکھتے تھے اور ہر طرف ایک گہری خاموشی چھائی ہُوئی تھی۔

سانپ فاختہ کی گردن میں کئی بل ڈالے بیٹھا تھا۔ مُقبِل نے ایک لمبا سا نیزہ منگوایا، اس کے ساتھ ایک بڑا سا آئینہ باندھا اور نیزے کو اس رُخ سے اُونچا کیا کہ سانپ کو اس میں اپنی شکل نظر آنے لگے۔ ایسا ہی ہُوا۔ سانپ نے آئینے میں جو نہی ایک دُوسرے سانپ اور دوسری فاختہ کو دیکھا، سر اُوپر اُٹھا کر غصّے سے پھن پھیلا دیا۔ مُقبِل نے اسی وقت تیر کمان میں جوڑا اور ایسا تاک کر مارا کہ سیدھا سانپ کے پھن میں جا کر لگا اور سانپ کو اپنی نوک میں پروتا ہُوا آسمان کی جانب نِکل گیا۔ سانپ لپٹی ہوئی رسی کی طرح آناً فاناً فاختہ کی گردن سے الگ ہُوا اور فاختہ آزاد ہو کر پھُر سے ایک جانب اُڑ گئی۔

لوگوں نے خوشی سے نعرے لگائے اور اس عرب نوجوان کے گرد جمع ہو گئے جس نے یہ حیرت انگیز کارنامہ دکھایا تھا۔ نوشیر واں نے آگے بڑھ کر مُقبِل کو گلے سے لگایا، اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اپنے گلے سے موتیوں کی مالا اُتار کر اس کے گلے میں ڈال دی۔ اس دن سے بادشاہ مُقبِل سے اور زیادہ محبّت کرنے گا۔ لیکن بختک اندر ہی اندر حسد کی آگ میں جل رہا تھا اور سوچتا تھا کہ بزُرجمہر اور مُقبِل سے کس طرح انتقام لیا جائے؟ آخر اُسے جلد ہی ایک موقع مل گیا۔

مُقبِل کو بادشاہ کے پاس آئے ہوئے بہت دن ہو چکے تھے اور اب وُہ امیر حمزہ اور عُمرو سے ملنے کے لیے بے چین تھا۔ اس نے ایک روز رُخصت ہونے کی اجازت مانگی۔ بادشاہ نے کہا۔

”تمھیں امیر حمزہ اور عُمرو سے ملنے کا جس قدر شوق ہے، اس سے کہیں زیادہ شوق ہمیں ہے۔ میں آج ہی اپنے ایلچی امیر حمزہ کے پاس بھیجتا ہوں اور انہیں یہاں آنے کی دعوت دیتا ہوں۔“

یہ کہہ کر بزُرجمر کو حکم دیا کہ "امیر حمزہ کے نام ایک خط لکھا جائے کہ ہم تم سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے فوراً ہمارا تاج اور تخت لے کر مدائن چلے آؤ۔"

بزُرجمہر نے خط لکھا۔ بادشاہ نے بختک وزیر سے کہا کہ اس پر ہماری مہر لگا کر فوراً مکّے روانہ کرو اور اپنے دو چچاؤں کو ایلچی بنا کر امیر حمزہ کے پاس بھیجو۔ بختک کے اِن چچاؤں کے نام بہمن سگاں اور بہمن خراں تھے اور یہ بھی اپنے بھتیجے بختک کی طرح بڑے مکّار اور چالاک تھے۔ بختک نے بادشاہ کا اصل خط اپنے پاس رکھا اور ایک اور خط خُود لکھ کر اپنے چچاؤں کے حوالے کیا کہ یہ امیر حمزہ کو دے دینا۔ اس خط میں لکھا تھا۔

اے عبدالمطلب کے بیٹے۔ میرا ارادہ تو یہ تھا کہ تُجھے اور تیری ساری قوم کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں۔ مگر تم نے میرے دشمن حشّام کو ہلاک کر کے میرا یہ ارادہ بدل ڈالا ہے۔ میرا تاج اور تخت فوراً مدائن روانہ کر دے، ورنہ میرے قہر و غضب کی آگ تجھے جلا کر راکھ کر دے گی۔

اِدھر تو یہ تماشا ہو رہا تھا اور اُدھر امیر حمزہ اپنے لشکر کے ساتھ مُلک مُلک کی سیر کر رہے تھے۔ جب سیر سے جی بھر گیا تو مکّے کی طرف واپس چلے۔ راستے میں ایک پُر فضا مقام پر پڑاو کیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ دو سر سبز پہاڑ ہیں جن کی چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔ ہر طرف رنگ برنگے پھول کثرت سے کھِلے ہوئے ہیں۔ جابجا چشمے بہتے ہیں جن کا پانی ٹھنڈا اور میٹھا ہے، دونوں پر ہزاروں حسین پرندے چہچہا رہے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سرزمین جنّت کا کوئی حصّہ ہے۔ ایک پہاڑ کی چوٹ پر قلعہ بھی دکھائی دیا۔

امیر حمزہ بہت ہوش ہوئے۔ ساتھیوں سے پوچھا کہ اس علاقے کا کیا نام ہے اور یہاں کون رہتا ہے، کسی نے بتایا کہ پہاڑ کی چوٹی پر جو عظیم الشّان قلعہ ہے، اسے سنگِ رواحل کہتے ہیں اور یہاں عادی کرب نام کے ایک پہلوان کی حکومت ہے جس کے پاس اٹھارہ ہزار فوجی سپاہی ہیں۔ عادی کرب کے اٹھارہ سگے بھائی بھی پہلوان ہیں۔ ان سب کا پیشہ لوٹ مار ہے۔ قافلوں کو لوٹتے ہیں اور جو شخص ان کے مُقابلے میں آنے کی کوشش کرتا ہے اسے مار ڈالتے

ہیں۔

"افسوس کہ ایسی خوب صورت سرزمین میں ایسے ظالم اور لُٹیرے رہتے ہیں۔" امیر حمزہ نے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ اس پہلوان سے مِلوں اور اس کو سمجھاؤں کہ اللہ کی مخلوق کو تنگ کرنا اور ستانا چھوڑ دے۔"

"بے شک ایسے ظالموں کو روکنے کی تدبیر کرنی چاہیے۔" عُمرو نے کہا۔ "اجازت ہو تو میں پہلوان کو آپ کے آنے کی خبر پہنچاؤں؟"

ابھی باتیں ہو رہی تھیں کہ پہاڑ کی چوٹی پر سے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سُنائی دی۔ سب نے گردنیں اوپر اُٹھا کر دیکھا۔ سُرخ رنگ کے گھوڑے پر ایک شخص سوار پہاڑ سے نیچے اُتر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وُہ امیر حمزہ اور ان کے ساتھیوں کے قریب آ کر رکا۔ آنے والے نے اپنا آدھا چہرہ سیاہ رنگ کی نقاب میں چھپا رکھا تھا اور صرف اس کی آنکھیں اور پیشانی دکھائی دیتی تھی۔

امیر حمزہ اور ان کے سپاہیوں کر خُوب غور سے دیکھنے بھالنے کے بعد آنے

والے نے بڑے رُعب سے کہا۔

"تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟"

"میرا نام حمزہ ہے اور میں مکّے کے سردار خواجہ عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔ تمہارا کیا نام ہے؟"

"میرا نام اسد ہے۔" اس نے کہا "تم ہی وُہ شخص ہو جس نے ہمارا شکار چھینا ہے؟"

"شکار؟ کیسا شکار؟ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا؟" امیر حمزہ نے حیرت سے کہا۔

"سمجھنے کی کوشش کرو۔" اسد نے کہا۔ "ہمارے سردار عادی کرب کو معلوم ہُوا تھا کہ حشّام ڈاکو نوشیرواں کا محل لوٹ کر اور اس کا تاج و تخت لے کر اِدھر آ رہا ہے، ہم اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وُہی ہمارا شکار تھا جو تم نے چھین لیا۔ اب بتاؤ مال و دولت اور تخت اور تاج کہاں ہے جو تم نے حشّام سے چھینا

تھا۔ سب سامان ہمارے حوالے کر دو۔ ورنہ یہاں سے زندہ سلامت نہ جاؤ گے۔"

"او، بدزبان، ذرا دیکھ بھال کر بات کر۔ ورنہ ابھی تیری زبان گُدّی سے کھینچ لوں گا۔ جانتا نہیں کس سے بات کر رہا ہے۔" عمرو نے کہا۔

اسد نے اپنی لال لال آنکھوں سے عمرو کو گھورا اور کہا۔

"یہ مینڈکی کون ہے؟ ابھی ایک ہاتھ ماروں تو پانی نہ مانگے۔"

"ابے جا، بڑے دیکھے ہیں ہاتھ مارنے والے۔" عُمرو نے للکار کر کہا۔ "ہمت ہے تو آجا مقابلے میں۔ ذرا دوڑ لگا کر دیکھ لے۔ اگر تو مجھ سے آگے نکل گیا تو دس ہزار روپے دوں گا اور ہار گیا تو بیس ہزار تجھ سے وصول کروں گا۔ بول، شرط منظور ہے؟"

اسد نے قہقہہ لگایا اور کہا۔

"دوڑنے بھاگنے کی شرطیں بزدل لگایا کرتے ہیں۔ میں خرگوش یا ہرن کا بچّہ

نہیں جو دوڑتا پھروں۔ میں پہلوان ہُوں، کشتی لڑنا جانتا ہُوں۔ جی چاہے تو مجھ سے کُشتی لڑلو، اگر تم نے مجھے پچھاڑ دیا تو بیس کی بجائے چالیس روپے دوں گا۔"

یہ کہہ کر وُہ گھوڑے سے اُترا اور چاہتا تھا کہ ہاتھ بڑھا کر عُمرو کی گردن پکڑے کہ امیر حمزہ نے ایک گھونسا اس کی گردن پر ایسا مارا کہ لڑھکنیاں کھاتا ہُوا دُور جا گرا اور درد کے مارے بُری طرح چیخنے لگا۔ اس کی چیخوں کی آواز قلعے تک پہنچی اور دیکھتے ہی دیکھتے بہت سے آدمی پہاڑ کی چوٹی پر سے اُترے۔ امیر حمزہ اور ان کے ساتھی اپنی جگہ اطمینان سے کھڑے رہے۔ اوپر سے آنے والوں میں سب سے آگے ایک پہلوان تھا۔ قد سات فُٹ اُونچا، جسم سیاہ اور ٹھوس جیسے لوہے کا بنا ہُوا ہو۔ چہرہ پھولا ہُوا ہو۔ بڑی بڑی مونچھیں۔ اُس کے داہنے ہاتھ میں پانچ چھ من وزنی فولاد کا گرز تھا جسے وُہ ایک چھڑی کی طرح اِدھر سے اُدھر ہلاتا ہُوا آرہا تھا۔ باقی سب لوگ اس کے پیچھے تھے۔

اس نے قریب پہنچ کے ایک نظر امیر حمزہ اور ان کے ساتھیوں کی طرف

دیکھا، پھر اسد کی طرف گیا جو ابھی تک تکلیف سے چلّا رہا تھا۔

"میرے بھائی، تُجھے کس نے مارا۔" کالے پہلوان نے اس سے پُوچھا۔ "دیکھ میں ابھی تیرا بدلہ لیتا ہوں۔"

اسد نے اُنگلی سے امیر حمزہ کی طرف اشارہ کیا اور کالا دیو پہلوان دانت نِکالتا ہُوا اُن کی طرف بڑھا۔

"اے جوان! خدا کو یاد کر کہ اب تیری موت آنے والی ہے۔" اس نے غصّے سے گرج کر کہا۔ امیر اپنی جگہ ڈٹے رہے۔ صرف اتنا کہا۔

"میں خُدا کو ہر وقت یاد رکھتا ہوں۔ اُسی کے ساتھ میں میری زندگی اور موت ہے۔"

"تو نے شاید میرا نام نہیں سُنا۔" پہلوان نے کہا۔ "اگر نہیں سُنا تو اب سُن لے کہ مُجھے عادی کرب کہتے ہیں۔ عرب کی سرزمین نے آج تک مجھ سے زیادہ بہادر اور طاقتور پہلوان پیدا نہیں کیا۔"

امیر حمزہ یہ سُن کر ہنسے اور یوں جواب دیا۔

"تو نے بھی شاید میرا نام نہیں سُنا۔ اگر نہیں سُنا تو اب سُن لے کہ مجھے حمزہ کہتے ہیں اور میں مکّے کے رئیس خواجہ عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔ ابھی چند روز ہوئے میں نے حشّام کو جہنم رسید کیا ہے۔ اب تیری باری ہے۔"

"آہا۔۔۔ میں تیری ہی تلاش میں تھا۔ تو نے حشّام کو ہم سے چھین لیا۔ اگر تو وُہ ساری دولت میرے حوالے کر دے جو تو نے حشّام ڈاکو سے چھینی ہے تو میں تیری گُستاخی معاف کر دُوں گا۔"

"اے عادی، میرے پاس جو کُچھ ہے، سب تیرے حوالے کر دوں گا مگر شرط یہ ہے کہ تو میری اطاعت قبول کر لے اور یہ وعدہ بھی کرے کہ آیندہ کِسی قافلے کو نہ لوٹے گا۔"

عادی زور سے ہنسا اور اس کے ہنسنے سے عُمرو کو یوں محسوس ہُوا جیسے بادل گرج رہے ہوں۔

”اے حمزہ، آج تک یہ بات کسی نے مجھ سے نہ کہی تھی۔ جی تو نہیں چاہتا کہ تُجھے ماروں، مگر تو نے مجبور کر دیا ہے۔ اچھّا، سنبھل جا، میں وار کرتا ہوں۔“

یہ کہہ کر عادی نے اپنا چھ من وزنی فولادی گرز ہُوا میں گھمایا۔ اس کے گھُومنے سے شائیں شائیں کی آواز پیدا ہوئی۔ عُمرو توڈر کر ایک درخت کے پیچھے جا چھپا اور دل ہی دل میں حمزہ کی سلامتی کی دُعا مانگنے لگا۔ عادی نے گرز گھما کر امیر حمزہ کے سر پر مارنے کی کوشش کی۔ امیر اُچھل کر پرے ہٹ گئے اور گرز دھائیں کی آواز سے ایک بڑے پہاڑی پتھّر پر لگا۔ پتھر ریزہ ریزہ ہو گیا۔

اس سے پہلے کہ عادی پہلوان دوسرا وار کرے، امیر حمزہ نے آگے بڑھ کر ایک ٹکّر پوری قوّت سے اس کے پیٹ میں ماری۔ عادی کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اسی ایک ٹکّر سے دم دے دیتا۔ لیکن وُہ دیو اس ٹکّر کو برداشت کر گیا۔ مگر اتنی ہی دیر میں اُسے امیر حمزہ کی طاقت کا اندازہ ہو چکا تھا۔ ہانپتے ہوئے کہنے لگا۔

”واہ وا۔ مزہ آگیا۔ جیتے رہو حمزہ۔ واقعی تم بھی پہلوان ہو۔“

اب وُہ کھلی جگہ میں آ گیا تھا۔ اس کے ساتھی چاہتے تھے کہ ایک دم حمزہ پر حملہ کر دیں، مگر اس نے انہیں روک دیا اور کہا کہ خبردار کوئی شخص قدم آگے نہ بڑھائے۔ میں اکیلا ہی لڑوں گا۔ چند لمحے پینترے بدلنے اور داؤ مارنے کے بعد عادی نے گرز پھینک دیا اور ایک دس من وزنی پتھّر اُٹھا کر حمزہ کی طرف پھینکا۔ یہ پتھّر حمزہ کو تو نہ لگا، البتہ اس درخت سے ٹکرایا جس کے پیچھے عُمرو چھپا ہُوا تھا۔ پتھّر لگتے ہی درخت اپنی جگہ سے اُکھڑا اور دھم سے زمین پر آن گرا۔ عُمرو نے پھُرتی سے ایک طرف ہٹ کر اپنی جان بچائی اور چلایا۔

"اے حمزہ، خدا کے واسطے اس موذی کو جلد قابُو میں لاؤ ورنہ یہ مجُھے مار ڈالے گا۔"

اب امیر حمزہ اور عادی میں کُشتی ہونے لگی۔ حمزہ نے طرح طرح کے داؤ کیے، لیکن عادی ہر مرتبہ بچ جاتا۔ آخر حمزہ نے اس کا لنگرٹ پکڑ کر زور لگایا اور اس کو سر سے اُونچا کر ایک ٹیلے پر مارنا چاہتے ہی تھے کہ اس نے گڑگڑا کر کہا۔

”اے حمزہ، مجھے معاف کر۔ آج سے تو میرا آقا، میں تیرا غلام۔“

یہ سُن کر امیر حمزہ نے عادی کو آہستہ سے زمین پر رکھ دیا۔ عادی نے اپنے اٹھارہ بھائیوں سے کہا کہ امیر حمزہ کو سلام کرو۔ پھر اپنی فوج کی سلامی دلوائی اور امیر حمزہ، عُمرو وغیرہ کر قلعے میں لے جا کر کئی دن تک خوب خاطر تواضع کی۔ آخر ایک روز امیر حمزہ نے مکّے جانے کا ارادہ کیا۔ تب عادی نے بھی درخواست کی کہ اُسے اور اس کی فوج کو بھی ساتھ لے لیا جائے، امیر حمزہ نے اس کی یہ درخواست منظور کی اور سب لوگ مکّے کی طرف چلے۔

چند دن بعد جب امیر حمزہ کو پتا چلا کہ عادی پہلوان عادیہ بانو کا سب سے بڑا بیٹا ہے تو وُہ بہت خوش ہوئے اور اس سے کہنے لگے کہ تو ہمارا دودھ شریک بھائی ہے۔

اب عادی کی پہلے سے بھی زیادہ خاطریں ہونے لگیں۔ اس کی خوراک اتنی تھی کہ عام آدمی دنگ رہ جاتے تھے۔ صبح اُٹھتے ہی اُونٹ کے بچّے کی یخنی، دوپہر کو پندرہ سیر بھُنا ہُوا گوشت، پانچ سیر کھجوریں اور شام کے وقت بیس

سیر خالص دودھ۔ یہی حال اُس کے بھائیوں کو تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر
یہ سب کے سب چند برس تک مکّے میں رہے تو تمام بھیڑیں، بکریاں اور
اونٹ ہڑپ کر جائیں گے۔ لیکن خُدا نے خواجہ عبدالمطلب کے ہاں ایسی
برکت دی تھی کہ اِن مہمانوں کی خاطر تواضع میں کوئی کمی آنے نہ پائی تھی۔

امیر حمزہ اور نوشیر واں

ایک روز امیر حمزہ اپنے تمام دوستوں اور پہلوانوں کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھے کھانا کھارہے تھے کہ ایک خادم نے آن کر عرض کی۔

”جناب، بادشاہ نوشیر واں کی طرف سے دو قاصد آئے ہیں۔ اجازت ہو تو انہیں لایا جائے؟“

امیر حمزہ نے حکم دیا کہ ان کو فوراً پیش کیا جائے۔ تھوڑی دیر بعد کیا دیکھا کہ دو آدمی جن کے چہروں پر پھٹکار برستی ہے، مریل سے ٹٹّوں پر سوار چلے آتے ہیں۔ ان کے پیچھے پیچھے مکّے کے شریر لڑکوں کی ایک فوج تالیاں پیٹتی ہوئی آ رہی تھی۔

"یقین نہیں آتا کہ یہ قاصد نوشیر واں کی طرف سے آئے ہیں؟" امیر حمزہ نے حیرت سے کہا۔ اتنے ہیں وُہ دونوں خواجہ عبدالمطلب کے گھر کے دروازے تک آ پہنچے۔ امیر حمزہ نے اُٹھ کر ان کا استقبال کیا۔ دستر خوان پر بٹھا کر کھانا کھلایا۔ پھر پُوچھا۔

"آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں اور آپ کا نام کیا ہے؟"

"میرا نام بہمن خراں ہے اور یہ میرا بھائی بہمن سگاں ہے۔ ہم دونوں نوشیر واں کے وزیر بختک کے چچا ہیں۔ بادشاہ نے ایک خط آپ کے لئے بھیجا ہے۔"

یہ کہہ کر بہمن خراں نے اپنی جیب سے ایک پھٹی پرانی تھیلی نکالی۔ اس میں سے نوشیر واں کا خط نکال کر امیر حمزہ کو دیا۔ انہوں نے خط پڑھا اور غصّے کے مارے چہرہ سُرخ ہو گیا۔ خواجہ عبدالمطلب بھی حیران ہوئے کہ آخر بادشاہ ناراض کیوں ہُوا۔ امیر کو کو طیش میں دیکھ کر انہوں نے کہا۔

”بیٹا، غم نہ کرو۔ بادشاہوں کا حال ایسا ہی ہوتا ہے۔ کبھی گالی دینے سے خوش ہو جاتے ہیں اور کبھی سلام کرنے سے ناراض۔ مجھے شک ہے کہ بادشاہ کے کان میں کسی نے غلط سلط باتیں ڈال دی ہیں۔“

خواجہ عبدالمطلب نے بہمن خراں اور بہمن سگاں کو اپنے ہی مکان میں ٹھہرایا اور عرب کی مہمان نوازی کے مطابق ان کی خوب خاطر تواضع کی۔ عُمرو کو جب نوشیرواں کے خط کا پتا چلا تو اُسے بھی بڑا غصّہ آیا۔ دل میں سوچنے لگا کہ ضرور کسی کی شرارت ہے۔ اس لیے ان قاصدوں کی خبر لینی چاہیے۔

رات کے وقت جب دستر خوان بچھا اور سب لوگ کھانے پر بیٹھے تو عُمرو اپنے سر پر دو خوان اُٹھا کر لایا جن کے اُوپر خوبصورت کپڑا ڈھکا ہُوا تھا۔ بہمن خراں اور بہمن سگاں کے سامنے پہنچ کر عُمرو نے دو خالی پلیٹیں ان کے آگے رکھ دیں۔ سب لوگ حیران تھے کہ عُمرو مہمانوں کی ضیافت کے لیے جانے کون سا لذیذ کھانا پکوا کر لایا ہے۔ اتنے میں عُمرو نے ایک خوان کھولا اور اس میں سے تازہ ہری ہری گھاس نکال کر بہمن خراں کی پلیٹ میں رکھی، پھر دوسرا

خوان کھولا اور اس میں سے بکری کی ہڈیاں نکال کر بہمن سگاں کی پلیٹ میں رکھیں۔

خواجہ عبدالمطلب نے عُمرو کی یہ حرکت دیکھ کر غصّے سے کہا "یہ کیا بدتمیزی ہے؟"

"جناب خواجہ صاحب، میں نے مہمانوں کی پسندیدہ غذائیں ہی ان کے سامنے پیش کی ہیں۔ آپ شاید بھول گئے کہ ان میں سے ایک صاحب کا نام بہمن خراں ہے اور دوسرے کا بہمن سگاں۔ خراں یعنی گدھوں کے لیے گھاس اور سگاں یعنی کتّوں کے لیے ہڈیوں سے زیادہ لذیذ اور دل پسند خوراک اور کون سی ہو سکتی ہے۔" عُمرو نے جواب دیا اور دستر خوان پر بیٹھے ہوئے سب لوگ قہقہے مارنے لگے۔ خواجہ عبدالمطلب بھی اپنی مسکراہٹ دبا نہ سکے۔

اتنے میں عُمرو نے ایک اور حرکت کی۔ اپنے ایک نوکر کو اشارہ کیا اور اس نے گدھے کی پالان لا کر پہلے بہمن خراں کی پیٹھ پر ڈالی، پھر کتّے کی جھول نکال کر بہمن سگاں کو اُڑھائی۔ اب تو لوگوں نے مارے ہنسی کے پیٹ پکڑ لیے۔

بہمن سگاں اور بہمن خراں نے جب اپنی درگت بنتے دیکھی تو انہوں نے خنجر نکال لیے اور چاہا کہ عُمرو کو ہلاک کریں کہ طوق بن جبران نے ان سے خنجر چھین لیا اور اتنے گھونسے مارے کہ سب کھایا پیا باہر آ گیا۔ آخر خواجہ عبدالمطلب نے بچایا اور اگلے روز انہیں مکّے سے چلے جانے کی ہدایت کی۔

بہمن خراں اور بہمن سگاں جب خواجہ عبدالمطلب کے مکان سے نکلے تو عُمرو پہلے ہی سے شریر لڑکوں کی ٹولی لیے راستے میں موجود تھا۔ انہوں نے بہمن خراں اور بہمن سگاں پر گندے انڈوں، کیچڑ اور پتھروں کی بارش برسا دی اور اتنا تنگ کیا کہ وُہ بدنصیب روتے ہُوئے عُمرو کے قدموں میں گر گئے۔ تب عُمرو نے انہیں معاف کیا اور جانے کی اجازت دی۔

بعد ازاں امیر حمزہ نے نوشیرواں کے نام ایک خط لکھ کر قاصد کے ہاتھ روانہ کیا۔ اس خط میں لکھا تھا۔

”میں بادشاہ کا دوست اور جان نثار ہوں۔ میں نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر حشّام سے آپ کا تخت اور تاج چھینا جس کا انعام مجھے آپ کی طرف سے یہ

دیا گیا کہ آپ نے میری قوم اور شہر کو تہس نہس کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی دشمن نے آپ کے کان بھرے ہیں۔ آپ تو عادل کہلاتے ہیں۔ کیا یہی انصاف ہے؟"

اس کے ساتھ ہی امیر حمزہ نے نوشیرواں کا وُہ نقلی خط بھی واپس بھیجا جو بختک وزیر نے لکھا تھا۔

بہمن سگاں اور بہمن خراں نشرواں کے دربار میں پہنچے اور اپنی بے عزّتی کی داستان سنائی۔ بادشاہ اپنے سفیروں کی یہ حالت دیکھ کر غصّے سے کانپنے اُٹھا اور بزُرجمہر سے کہنے لگا۔

"اے خواجہ، تم نے ان کی حالت دیکھی اور باتیں سُنیں؟ تم تو کہتے تھے کہ حمزہ میرا بڑا فرماں بردار اور جان نثار ہے۔ لیکن اس کے یار عُمرو نے مار مار کر میرے ایلچیوں کا حلیہ بگاڑ دیا۔ شاید امیر حمزہ کو اپنی طاقت اور بہادری پر گھمنڈ ہے۔ میں بہت جلد اس کا یہ گھمنڈ توڑوں گا۔"

بزُرجمہر بے حد عقلمند اور ہوشیار تھا۔ سمجھ گیا کہ ضرور کسی طرف سے شرارت ہوئی ہے۔ ورنہ حمزہ اور اس کا باپ ایسے آدمی نہیں ہیں۔ اس نے نوشیرواں سے کہا۔

"حضور، میں خود حیران ہوں کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ حمزہ آپ کی شان میں ایسی بے ادبی ہرگز نہیں کر سکتا۔ وُہ بڑا اسعادت مند اور ذہین نوجوان ہے۔"

مکار بختک بھی ایک طرف کھڑا یہ سب باتیں سُن رہا تھا۔ وُہ دل ہی دل میں خوش تھا کہ بادشاہ کے دل میں امیر حمزہ اور بزُرجمہر کے خلاف نفرت کا بیج بونے میں کامیاب رہا۔ لیکن اس کی یہ خوشی عارضی ثابت ہوئی۔ کیونکہ دوسرے ہی دن امیر حمزہ کا بھیجا ہُوا قاصد دربار میں پہنچ گیا اور اس نے دونوں خط بادشاہ کے سامنے پیش کر دیے۔ نوشیرواں نے ان خطوں کو ایک نظر دیکھا اور دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یہ سب کارستانی بختک کی ہے۔ اس نے حکم دیا کہ بختک کو پیش کیا جائے۔ بختک تھر تھر کانپتا ہُوا بادشاہ کے سامنے آیا۔ نوشیرواں نے اس پر حقارت کی نظر ڈالی اور کہا۔

”تیری یہ جرأت کہ تونے ہمارا اصل خط چھپایا۔ اور اپنی طرف سے جعلی خط بنا کر حمزہ کر بھیجا۔ اب بول تجھے کیا سزا دی جائے، کوئی ایسی سزا اپنے لیے تجویز کر جس سے موت کی تکلیف تجھے زیادہ سے زیادہ محسوس ہو۔“

بختک روتا ہُوا بادشاہ کے قدموں میں گرا اور اپنے قصور کی معافی مانگنے لگا مگر نوشیرواں نے اُس کے سر پر ٹھوکر مار کر کہا کہ تجھ جیسے غدّاروں کی یہی سزا ہے کہ آگ میں زندہ جلا دیا جائے۔ یہ سُن کر بزُرجمہر آگے بڑھا اور نوشیرواں سے سفارش کر کے بختک کی جان بخشی کرائی۔

اسی وقت نوشیرواں نے ایک خط امیر حمزہ کے نام لکھا کہ یہ بدمعاشی بختک نے کی تھی جس نے ہمارا اصل خط بھیجنے کی بجائے تمہیں جعلی خط بھیجا۔ ہمیں تم سے ملنے کا بے حد شوق ہے۔ جس قدر جلد ہو سکے مدائن پہنچو۔ بادشاہ نے یہ خط اپنے ہاتھ سے لکھ کر اپنی بیٹی شہزادی مہر نگار کو دیا کہ بادشاہ کی مُہر لگائے اور بزُرجمہر کو دے دے۔ وُہ اپنے بیٹے خواجہ بُزرگ اُمّید کے ہاتھ یہ خط امیر حمزہ کو بھیجیں تاکہ اس مرتبہ کوئی غلط فہمی نہ ہو۔

بزُرجمہر نے امیر حمزہ کی حفاظت کے لیے ایک طلسم بنایا۔ اس کی شکل ایک ہیبت ناک اژدہے کی تھی۔ اس اژدہے میں یہ خوبی تھی کہ جب ہُوا اس کے پیٹ میں داخل ہو کر مُنھ کے راستے باہر نکلتی تو تین مرتبہ امیر حمزہ۔۔۔ امیر حمزہ۔۔۔ امیر حمزہ کی آواز اس زور سے نکلتی کہ جنگل اور بیابان گونج اُٹھتے اور زمین کانپنے لگتی۔ دشمن اگر اس آواز کو سُنتا تو اس امیر حمزہ کا خوف چھا جاتا اور دوست سُنتا تو اس کے دل میں امیر حمزہ کی محبّت پیدا ہوتی۔ خواجہ بزرجمہر نے جادُو کے اس اژدہے کا نام طلسم اژدہا پیکر رکھا۔

اس کے بعد اس نے عُمرو کے لیے بھی چند عجیب و غریب طلسماتی چیزیں تیار کیں اور انہیں استعمال کرنے کے طریقے بھی اپنے بیٹے بُزرگ اُمّید کو بتائے اور کہا کہ عُمرو کو اچھّی طرح سمجھا دینا۔ یہ سب سامان لے کر بُزرگ اُمّید مکّے کی جانب روانہ ہو گیا۔

ایک دن عُمرو کا جی چاہا کہ شہر سے نکلے اور سیر و تفریح کرے۔ وُہ کسی کو ساتھ لیے بغیر شہر سے نکلا اور دوڑتا دوڑتا صحرا کی طرف چلا گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ

گھوڑے پر سوار ایک شخص آرہا ہے۔ عُمرو اس کے نزدیک پہنچا اور پوچھنے لگا۔

"کیوں صاحب، آپ کون ہیں اور کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟"

گھڑ سوار عُمرو کو دیکھ کر خوب ہنسا، پھر بولا۔

"جیسا سُنا تھا، اس سے بڑھ کر پایا۔" یہ کہہ کر گھوڑے سے اُتر کر عُمرو کو گلے سے لگا لیا۔ بے چارہ عُمرو حیران پریشان کہ نہ جانے کون ہے۔ پہلے تو کبھی نہیں دیکھا۔ آخر اجنبی نے بتایا۔

"ڈرو مت۔ میں تمہارا دوست ہوں۔ بزُرجمہر کا بیٹا۔ میرا نام بُزرگ اُمّید ہے۔ نوشیرواں کا خط امیر حمزہ کے نام لایا ہوں اور والد صاحب نے تُم دونوں کے لئے تحفے بھیجے ہیں۔"

عُمرو یہ سُن کر خوش ہُوا لیکن مُنہ بنا کر کہنے لگا۔

"قبلہ، آپ باتوں میں وقت ضائع نہ کیجئے اور خواجہ بزُرجمہر نے جو چیزیں میرے لیے بھیجی ہیں، فوراً میرے حوالے کیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کسی اور کو

دے بیٹھیں۔"

بُزرگ اُمّید نے کہا "اچھّا بھائی اچھّا۔ تم بھی کیا یاد کرو گے۔" یہ کہہ کر ایک بُقچی میں سے ایک خوبصورت اور رنگ برنگا لباس نکالا۔ "کہو پسند آیا؟" بُزرگ اُمّید نے پوچھا۔ "لیکن شرط یہ ہے کہ اپنے کپڑے میرے سامنے اُتار کر یہ لباس پہنو۔ اس میں بے شمار خوبیاں ہیں جو بعد میں بتاؤں گا۔"

عُمرو نے جلد جلد اپنے کپڑے اتارے۔ بُزرگ اُمّید نے یہ کپڑے سمیٹ کر اپنے تھیلے میں بھرے، گھوڑے پر سوار ہُوا اور عُمرو سے کہا "لو بھائی، ہم جاتے ہیں۔ پھر ملیں گے۔"

بے چارہ عُمرو بالکل ننگا شرم سے مُنھ چھپائے کھڑا تھا۔ بُزرگ اُمّید کی یہ بات سُنی تو سخت گھبرایا، دوڑ کر ان کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور کہا۔

"صاحب، یہ اچھا مذاق ہے۔ لایئے، میرے کپڑے واپس کیجیے۔ مجھے آپ کے یہ تُحفے نہیں چاہییں"۔

بُزرگ اُمّید نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔

"بُرے پھنسے استاد۔ بولو، اب مجھے کیا دو گے؟ بہت ہوشیار اور چالاک بنتے تھے نا؟"

"جناب، میری توبہ۔" عُمرو نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "اس فن میں مَیں آپ کا شاگرد اور آپ میرے استاد۔ کان پکڑتا ہوں۔ میرا قصور معاف کیجئے۔"

بُزرگ اُمّید کو عُمرو پر ترس آیا۔ اور زیادہ پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ایک خوش نما لباس اسے پہنایا۔ بھیس بدلنے کی بہت سی ترکیبیں بتائیں۔ اس کے علاوہ ایک عجیب و غریب طلسمی چادر بھی اس کو دی۔ اس میں یہ خوبی تھی کہ جس کو چاہو، باندھ لو۔ پھر ایک ڈبیا نکالی۔ اس میں خوشبودار روئی بھری تھی۔ اس روئی میں یہ خاصیت تھی کہ پانی میں بھگو کر یہ پانی جسے پلا دیں وُہ فوراً بے ہوش ہو جائے۔

عُمرو یہ تحفے لے کر بے حد خوش ہُوا۔ بُزرگ اُمّید کو سلام بھی نہ کیا اور دوڑتا

ہُوا امیر حمزہ کے پاس پہنچا۔ انہوں نے اسے ایسا شاندار لباس پہنے دیکھا تو حیران ہوئے اور پوچھا۔

"یہ کپڑے کس سے چھینے ہیں؟"

"مجھے تم نے کوئی اُچکّا یا اُٹھائی گیرا سمجھا ہے؟" عُمرو نے اکڑ کر کہا۔ "نوشیر واں کے بڑے لڑکے شہزادہ ہُرمُز نے اپنے پاس بلایا ہے اور بھاری تنخواہ پر نوکر رکھ لیا ہے۔ اب میں مدائن جاتا ہوں، تم سے رُخصت ہونے آیا ہُوں۔ کہا سُنا مُعاف کر دینا۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگے۔

"میں نے ہمیشہ تجھے اپنا بھائی سمجھا اور تو نے یہ انعام دیا؟ مجھے چھوڑ کر شہزادہ ہُرمُز کی نوکری کرنے مدائن جاتا ہے؟ میں تجھے دُگنی تنخواہ دینے کو تیّار ہوں۔"

امیر حمزہ کو روتے دیکھ کر عُمرو بے چین ہُوا۔ بولا۔

”بھائی، میں تو مذاق کر دیا تھا اور تم سچ سمجھے۔ روئے زمین کے خزانے بھی میرے سامنے ڈھیر کر دے تو تمہاری دوستی نہ چھوڑوں گا۔“

یہ کہہ کر بُزرگ اُمّید کے آنے اور تحفے لانے کا قصّہ سنایا۔ اب تو امیر حمزہ بھی خوش ہوئے۔ اتنے میں بُزرگ اُمّید وہاں آن پہنچا۔ اس نے بزرُ جمہر کا خط اور طلسم اژدہا پیکر امیر حمزہ کے حوالے کیا اور مبارک باد پیش کی۔ امیر حمزہ نے بُزرجمہر کا خط پڑھا تو اصل حال معلوم ہُوا۔ چند روز اور سفر کی تیاری کی اور اپنی فوج کے ساتھ بڑی شان و شوکت سے مدائن کی جانب روانہ ہوئے۔ عادی پہلوان کے ہاتھ میں لشکر کا جھنڈا دیا۔ وُہ سب سے آگے تھا۔

راستے میں امیر حمزہ کو ایک گھنے جنگل میں سے گزرنا پڑا۔ یہاں دن کو بھی رات کا ساسماں تھا۔ درخت آسمان سے باتیں کرتے دکھائی دیتے تھے۔ ہزارہا قسم کے پرندے اور درندے اس جنگل میں رہتے تھے اور ڈر کے مارے کوئی اس میں نہ جاتا تھا۔ عادی پہلوان نے امیر حمزہ کر بتایا کہ اس جنگل میں بہت عرصے سے ایک آدم خور شیر رہتا ہے۔ یہ موذی اب تک کئی سو آدمیوں کو

چیر پھاڑ کر ہڑپ کر چکا ہے۔ اور کسی طرح قابو میں نہیں آتا۔ یہ سن کر امیر حمزہ کو بڑا افسوس ہُوا۔ کہنے لگے۔ "اب ہم اس شیر کو مارے بغیر یہاں سے نہ جائیں گے۔ اگر یہ درندہ اسی طرح آدمیوں کو کھاتا رہا تو ایک دن آئے گا کہ یہاں آدمی کا نام و نشان بھی نہ ملے گا۔"

ابھی یہ بات ہو رہی تھیں کہ دو آدمی روتے اور چیختے چلّاتے ہوئے آئے۔ انہوں نے بتایا کہ تھوڑی دیر پہلے آدم خور شیر ان کے ایک ساتھی کو اٹھا کر لے گیا ہیں۔ اب تو امیر حمزہ کو سخت غصّہ آیا۔ اسی وقت گھوڑے سے اُترے اور پیغمبروں کے ہتھیار لگا کر آئے۔ عادی پہلوان کو حکم دیا کہ تم لشکر کو دوسرے راستے سے مدائن کی طرف لے جاؤ۔ ہم اس شیر کو مار کر آتے ہیں۔

جب انہوں نے شیر کی تلاش میں جنگل کے اندر جانے کا ارادہ کیا تو عُمرو نے کہا۔

"اجازت ہو تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں۔ میں نے آج تک شیر ہی نہیں دیکھا کہ کیسا ہوتا ہے؟"

امیر حمزہ، عُمرو کی یہ بات سُن کر ہنسے اور اسے بھی ساتھ لے لیا۔

یہ دونوں گھوڑے دوڑاتے ہوئے جنگل کے ایسے حصّے میں پہنچے جہاں ایک ندّی بہتی تھی۔ اس ندّی کے کنارے شیر کے پنجوں کے تازہ نشان اور خون کے دھبّے دکھائی دیے۔ کُچھ فاصلے پر جھاڑیوں کے اندر انسانی لاش کے ٹکڑے بھی پڑے تھے۔ شیر نے جی بھر کے پیٹ بھرا تھا اور بچی کھچی ہڈیاں، کھوپڑی اور آنتیں چھوڑ گیا تھا۔

انسانی کھوپڑی دیکھ کر ڈر کے مارے عُمرو کی گھگھی بندھ گئی۔ اتنے میں کُچھ فاصلے سے شیر کی گرج سنائی دی۔ وہ خوب پیٹ بھرنے کے بعد جھاڑی کے اندر بیٹھا آرام کر رہا تھا۔ امیر حمزہ اور عُمرو نے اس کے آرام میں خلل ڈالا تو وُہ ناراض ہر کر غرّایا اور پھر گرجتا ہُوا باہر نکلا۔ اس کی آنکھیں تاروں کی مانند چمک رہی تھیں اور کھلے ہوئے بھیانک جبڑے پر خون لگا ہُوا تھا۔

شیر کو دیکھتے ہی عُمرو امیر حمزہ کو وہیں چھوڑ کر ایک درخت پر جا چڑھا اور چلّایا۔

”بھائی حمزہ، تم بھی اپنی جان بچاؤ۔ بھاگو اور کسی درخت پر چڑھ جاؤ۔“

لیکن انہوں نے عُمرو کے چیخنے چلانے کی کوئی پروانہ کی اور اپنی جگہ جمے کھڑے رہے۔ انہوں نے اتنا بڑا اور ایسا طاقتور شیر اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

شیر نے فوراً حملہ نہیں کیا۔ شاید اس لیے کے وہ بھوکا نہ تھا۔ بس اپنی جگہ کھڑا دُم ہلاتا رہا۔ ایک دو مرتبہ اس نے ایسی آواز بھی حلق سے نکالی جیسے ڈکار لے رہا ہو۔ پھر اگلے پنجوں سے مٹی کُریدنے لگا۔ لیکن اس کی نظریں ابھی تک امیر حمزہ پر جمی ہُوئی تھیں۔ اتنے میں امیر حمزہ کا گھوڑا ہنہنایا۔ عُمرو کا گھوڑا اپنے مالک کی طرح پہلے ہی ڈر کر نہ جانے کدھر بھاگ گیا تھا۔ یکایک شیر نے ایک ہولناک دھاڑ کے ساتھ چھلانگ لگائی اور دایاں پنجہ گھوڑے کو مارا۔ مگر امیر حمزہ کا گھوڑا بڑا ہوشیار تھا۔ وُہ اُچھل کر ایک طرف ہٹ گیا اور شیر اپنے ہی زور میں لُڑھکتا ہُوا ایک درخت سے جا ٹکرایا۔ اب تو اس کے غصّے کی انتہا نہ رہی۔ مٹّی میں لوٹ پوٹ کر اُٹھا اور دوبارہ حملہ کیا، امیر حمزہ نے میان سے تلوار

نکال لی اور جوں ہی شیر قریب آیا، تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ اس کا دایاں ہاتھ زخمی ہو گیا۔ وُہ تڑپ کر پرے ہٹا۔

اب وُہ خون میں بُری طرح لت پت ہو چکا تھا۔ مگر اس نے ہمّت نہ ہاری۔ پھر اُٹھا اور ایسی چھلانگ لگائی کہ امیر حمزہ کو گھوڑے سے زمین پر گرا دیا۔

یہ منظر دیکھ کر عُمرو کے ہوش اڑ گئے۔

دل میں کہا کہ اب اس آدم خور سے امیر حمزہ کو خُدا کے سوا اور کوئی نہیں بچا سکتا اور اگر مر گیا تو میرا جینا بے کار ہے۔ یہ سوچتے ہی وُہ درخت سے نیچے کود گیا۔ ایک لمحے کے لیے شیر کی توجّہ عُمرو کی طرف ہوئی اور اُس نے گردن گھما کر کودنے والے کو دیکھا۔ بس اتنا ہی موقع کافی تھا۔ امیر حمزہ نے زمین پر لیٹے لیٹے ہی اس زور سے تلوار ماری کہ وُہ اس کا پیٹ چیرتی ہوئی گردن تک نکل گئی۔ شیر کے حلق سے آخری چیخ نکلی اور تھوڑی دیر تڑپنے کے بعد وُہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ عُمرو نے لشکر میں جا کر چند آدمی جنگل میں بھیجے جو شیر کی کھال میں بھُس بھرا اور پھر اس نقلی شیر کو ایک بڑی سی گاڑی پر بٹھا کر لشکر مدائن کی طرف

چل پڑا۔

اب اُدھر کا قصّہ سُنو۔ صبح مُنھ اندھیرے مدائن شہر کا بُڑا دروازہ کھُلا اور مزدور کام کاج کرنے کے ارادے سے باہر نکلے۔ ان میں لکڑہاڑے بھی تھے اور گھسیارے بھی۔ جب یہ لوگ شہر سے باہر جنگل کے نزدیک پہنچے تو ایک شخص کی نظر ایک اُونچے سے ٹیلے پر پڑی اور وُہ چیخیں مارتا ہوا بھاگ اُٹھا۔ اُسے بھاگتے دیکھ کر دوسرے لوگ حیران ہُوئے مگر تھوڑی دیر بعد ان کی حالت بھی وہی ہوئی ہو اُن کے ساتھی کی ہوئی تھی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ٹیلے کے اوپر ہیبت ناک شکل کا ایک طاقتور شیر بیٹھا ہے۔ یہ بے چارے چیختے چلّاتے شہر میں پہنچے اور اُدھم مچا دیا کہ جنگل میں رہنے والا آدم خور اب شہر کے قریب آن پہنچا ہے اور ٹیلے پر بٹھا آرام کر دیا ہے۔

اسی خبر سے شہر میں کُہرام مچ گیا۔ فوراً شہر کا دروازہ بند کر دیا گیا اور ہزاروں آدمی آدم خور شیر کر دیکھنے کے لیے قلعے کی فصیلوں پر چڑھ گئے۔ نوشیر واں کے کانوں تک بھی یہ خبر پہنچی۔ وُہ فوراً محل کے بُرج پر گیا۔ بزُرجمہر اور بختک

بھی اس کے ساتھ تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ واقعی ایک شیر ٹیلے پر بیٹھا ہے۔ اتنے میں مُقبِل وفادار بھی آ گیا۔ اس نے بادشاہ سے کہا۔

"حضور، اجازت ہو تو میں اسے قریب سے جا کر دیکھوں؟"

"ہاں ضُرور جاؤ اور اپنے ساتھ پچاس ساٹھ سپاہیوں کو بھی لے جانا۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس موذی کو تُم جلد سے جلد ٹھکانے لگا دو تا کہ لوگوں کا خوف دُور ہُو۔" بادشاہ نے کہا۔

مُقبِل وفادار اسی وقت سواروں کا ایک دستہ لے کر شہر سے باہر نکلا اور ٹیلے کی طرف بڑھا۔ اُس نے دیکھا کہ شیر بالکل حرکت نہیں کرتا۔ چُپ چاپ بیٹھا ہے۔ اب تو مُقبِل کے ذہن میں شک پیدا ہُوا۔ سواروں کو ایک جگہ ٹھہرنے کا حکم دے کر اکیلا ٹیلے کے نزدیک گیا۔ چند لمحے بعد ساری حقیقت اُسے معلوم ہو گئی۔ مُردہ شیر کی کھال کے اندر گھاس بھری ہوئی تھی۔ سا چنے لگا کہ یہ حرکت کس نے کی؟ یکا یک خیال آیا کہ امیر حمزہ مدائن کے قریب پہنچ چُکے ہوں گے۔ اُنہی نے اس آدم خور کو جنگل میں مارا ہو گا اور یہ شرارت عُمرو

کے سوا کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔

یہ سوچتے ہی مقتبل بے اختیار ہنسا اور سیدھا نوشیرواں کے پاس آیا۔ بادشاہ نے یہ قصّہ سُنا تو حیران ہُوا اور عُمرو کی اس عیّاری کی داد دی۔ فوراً حکم دیا کے شہر کو سجایا جائے۔ خوشی کے شادیانے بجائے جائیں۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے تمام وزیروں، امیروں اور سرداروں کو حکم دیا کہ امیر حمزہ کے استقبال کے لیے مدائن سے باہر جائیں اور انہیں عزّت کے ساتھ شہر میں لائیں۔ مُقبِل وفادار نے بادشاہ سے درخواست کی کہ مجھے بھی امیر حمزہ کے استقبال کے لیے جانے کی اجازت دی جائے۔ بادشاہ نے اس کی درخواست قبول کرلی۔

مُقبِل گھوڑے پر سوار ہو کر شہر سے نکلا۔ دوسرے لوگ بہت پیچھے تھے، مُقبِل چاہتا تھا کہ سب سے پہلے امیر حمزہ کے پاس پہنچے۔ ایک جگہ پہنچ کر کیا دیکھتا ہے کہ عُمرو دوڑتا آتا ہے۔ مُقبِل نے اُسے آواز دی۔ عُمرو اپنے پُرانے دوست کو دیکھ کر خُوشی سے پھولا نہ سمایا۔ فوراً اُس کی طرف آیا۔ اس کا خیال

تھا کہ مُقبِل گھوڑے سے اُتر کر گلے سے لپٹ جائے گا۔ لیکن مُقبِل امیر حمزہ کو دیکھنے کے لیے اتنا بے چین تھا کہ اس نے عُمرو سے سلام بھی نہ کیا۔ بس اتنا کہا۔

"تُو یہاں کیا کر رہا ہے؟ امیر حمزہ اور اُن کا لشکر کہاں ہے؟"

عُمرو کو یہ بات بہت بُری لگی۔ غصّے سے لال پیلا ہو کر کہنے لگا۔

"اے غلام زادے، تیرے ہوش بھی ٹھکانے ہیں؟ تجھے تو امیر حمزہ نے بادشاہ کے حضور میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ تُو نے اُن کا حکم نہ مانا؟"

"زیادہ بک بک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" مُقبِل نے بھی ناراض ہو کر کہا۔ "جلد بتا کہ امیر حمزہ کہاں ہیں؟ میں بادشاہ کی طرف سے اُن کے استقبال کو آیا ہوں۔"

اب تو عُمرو کے لئے ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔ ایک پتھّر اُٹھا کر اس زور سے مارا کہ مُقبِل کی پیشانی لہو لہان ہو گی۔ مُقبِل نے گھوڑے سے اُتر کر عُمرو کو پکڑنے کا

ارادہ کیا مگر عُمرو تو چھلاوہ تھا۔ کہاں ہاتھ آتا۔ آخر مُقبِل اُسی طرح روتا پیٹتا امیر حمزہ کی تلاش میں چلا۔ دو تین میل دور گیا تھا کہ ایک لشکر آتا دکھائی دیا۔ تھوڑی دیر بعد مُقبِل امیر حمزہ کے سامنے کھڑا تھا۔ حمزہ نے اپنے دوست کو گلے سے لگا لیا لیکن پھر اُس کی حالت دیکھ کر گھبرا گئے اور بولے "بھائی، جلدی بتا کس نے تمھیں زخمی کیا؟ میں اس سے بدلہ لوں گا۔"

"جناب، یہ سب عُمرو کی کارستان ہے۔" کہہ کہ مُقبِل نے سارا قصّہ سُنایا۔ امیر حمزہ نے قہقہہ لگایا اور کہا "اچھّا، آنے دو، اس کو۔ اس سے پوچھوں گا۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ عُمرو بھی آن پہنچا۔ مُقبِل کو دیکھ کے زور سے ہنسا اور امیر حمزہ سے کہنے لگا۔

"بادشاہ کے پاس رہ کر اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ آدمی کو آدمی نہیں سمجھتا۔ ذرا پوچھیے تو اس سے کہ میں اس کا نوکر ہوں، غلام ہوں؟ اس نے مجھ پر حکم کیوں چلایا۔ مُجھ سے ملنے کے لیے گھوڑے سے بھی نیچے نہ اُترا۔ نہ سلام نہ دُعا، یہ کہاں کی شرافت ہے؟ سچ کہا ہے بُزرگوں نے کہ خُدا کم ظرف

لوگوں کو کُچھ دیتا ہے تو وُہ اپنی اوقات کو بھول جاتا ہے۔"

امیر حمزہ نے بڑی مشکل سے مُقبِل اور عُمرو کی صلح کروائی اور دونوں کو سمجھایا کہ ایسی باتیں دوستوں کو زیب نہیں دیتیں۔ مُقبِل نے عُمرو سے اپنے قصور کی معافی مانگی اور دونوں گلے مل گئے۔ اس کے بعد مُقبِل نے امیر حمزہ سے کہا کہ بادشاہ بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہا ہے اور اُس نے آپ کے استقبال کے لیے اپنے تمام وزروں، امیروں، اور فوجی سواروں کو روانہ کیا ہے۔

نوشیرواں کے بھیجے ہوئے تمام آدمی امیر حمزہ کے لشکر میں آئے اور سب نے جھُک جھُک کر سلام کیا۔ اُدھر خواجہ بزُرجمہر نے نوشیرواں کو سمجھایا کہ مکّے کے رئیس کا بہادر بیٹا آپ کی ملاقات کو آ رہا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ حضور بھی شہر سے باہر تشریف لے جا کر اس کا استقبال کریں۔ یُوں بھی حمزہ نے بڑا کارنامہ دکھایا ہے۔ اس کے حشّام ڈاکو کو مار کر اس سے آپ کا تاج اور تخت چھینا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے مدائن کے بے شمار بے گناہ آدمیوں کو حشّام کی قید سے چھڑایا۔ اُسے اُمّید ہو گی کہ آپ بھی قلعے سے چند قدم باہر جا کر اُسے اپنے

شہر کے اندر لے جائیں گے۔

نوشیر واں اسی وقت اپنے ہاتھی پر سوار ہوا اور بڑی شان و شوکت سے امیر حمزہ کے لشکر کی جانب چلا۔ شہر کے لوگوں نے بھی اپنی جانب سے بڑی تیاریاں کیں۔ بچّے اور جوان گاتے بجاتے اور ناچتے پھر رہے تھے۔ عورتوں کے ہاتھوں میں پھولوں سے بھری ہوئی ٹوکریاں تھیں۔ جابجا ڈھول تاشے اور باجے بج رہے تھے۔

مدائن سے تین میل کے فاصلے پر نوشیر واں اور امیر حمزہ کی ملاقات ہُوئی۔ بادشاہ نے دیکھا کہ ایک عرب نوجوان جس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند چمکتا ہے، سیاہ گھوڑے پر سوار ہے۔ اس کے جسم پر بڑا خوب صورت لباس ہے۔ نوشیر واں ہاتھی سے اُترا۔ اُدھر امیر حمزہ نے بھی بادشاہ کو پہچان لیا۔ جلدی سے گھوڑے سے اُترے اور نوشیر واں کا بھاری تخت جو پندرہ آدمی بھی مشکل سے اُٹھا سکتے تھے، اکیلے ہی اُٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا اور آگے بڑھے۔ اصل میں وُہ نوشیر واں پر یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ وہ طاقت میں کسی طرح

بھی ایران کے مشہور پہلوان رُستم سے کم نہیں ہیں۔ ایک بار ایسا ہُوا تھا کہ رُستم نے بھی بادشاہ کا تخت سر پر اُٹھایا تھا اور اُس کے اِس کارنامے کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ اب دوسری مرتبہ وُہی تخت امیر حمزہ نے اُٹھایا تو نوشیرواں اُن کی قوّت دیکھ کر حیران رہ گیا۔

امیر حمزہ بادشاہ کا تخت سر پر اُٹھا کر چالیس قدم چلے۔ اِتنے میں نوشیرواں نے اپنے پہلوانوں کو اشارہ کیا اور اُنہوں نے بڑے ادب سے تخت امیر حمزہ کے سر سے اُٹھایا اور زمین پر رکھ دیا۔ اب نوشیرواں اپنے ہاتھی سے اُترا اور آگے بڑھ کر امیر حمزہ کو گلے سے لگا لیا، اُن کی پیشانی پر بوسہ دیا اور دعائیں دیں، اپنے بیٹوں شہزادہ ہُرمُز اور فرامُرز سے ملاقات کرائی۔ امیر حمزہ نے سب سے ہاتھ ملایا۔ اس کے بعد باری باری اپنے ساتھیوں کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا اور منظر شاہ یمنی، نعمان بن منتظر، طوز بن جبران، عادی کرب بادشاہ کو سلام کر چکے تو امیر حمزہ نے عُمرو کو آگے بڑھا دیا۔ نوشیرواں نے عُمرو کو دیکھا تو بے اختیار ہنس پڑا اور اپنا ہاتھ بڑھایا۔ عُمرو نے ہاتھ کو بوسہ دیا اور چپکے سے

بادشاہ کی ایک قیمتی انگوٹھی اُتار لی اور موقع پا کر بختک کے کوٹ کی جیب میں ڈال دی۔ بادشاہ نے امیر حمزہ کو اپنے ساتھ ہاتھی پر بٹھایا اور مدائن کی طرف واپس ہُوا۔

رستم کی کرسی

نوشیرواں نے مدائن پہنچ کر دربار کا حکم دیا۔ امیر حمزہ کے دوستوں اور ساتھیوں کو اپنے دائیں جانب رکھی ہوئی سونے چاندی کی کرسیوں پر بٹھایا۔ بائیں جانب ایرانی وزیر اور امیر بیٹھے۔ عُمرو کو شہزادہ ہُرمُز کے برابر جگہ ملی اور وہ بڑی شان سے تکیہ لگا کہ بادشاہوں کی طرح کرسی پر بیٹھ گیا۔ نوشیرواں نے امیر حمزہ سے کہا۔

"تمہارے لیے اس دربار میں جگہ کی کوئی قید نہیں۔ جہاں تمہارا جی چاہے بیٹھو۔"

یہ بہت بڑا اعزاز تھا جو اس سے پہلے کسی اور کو نہیں ملا تھا۔ بختک، امیر حمزہ کی یہ آؤ بھگت اور عزّت افزائی دیکھ کر جل بُھن رہا تھا مگر کُچھ کہنے کی ہمّت نہ

ہوئی۔ امیر حمزہ نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ نوشیر واں کے تخت کے بالکل برابر ایک شاندار کرسی رکھی ہے۔ اس کے اوپر ململ کی چھت پڑی تھی جس کی جھالروں میں لعل، یاقوت اور نیلم ٹکے ہوئے تھے۔ پایوں کی جگہ سونے کے بنے ہوئے چار شیر تھے۔ ان شیروں کی آنکھوں میں بھی ایسے قیمتی ہیرے جڑے تھے جن میں سے روشنی کی کرنیں پھوٹتی تھیں۔

امیر حمزہ سیدھے اس کی کی طرف بڑھے اور سات مرتبہ بادشاہ کو سلام کرنے کے بعد بیٹھ گئے۔ جونہی وہ کرسی پر بیٹھے، بختک چُپ نہ بیٹھ سکا اور اس نے بادشاہ سے کہا۔ "حضور، امیر حمزہ سے کہیے کہ کِسی اور کرسی پر تشریف رکھیں۔ یہ کرسی رُستم پہلوان کی ہے اور اس کی اولاد کے سوا کسی اور کو اس پر بیٹھنے کا حق نہیں۔"

یہ سُن کہ عُمرو کو سخت غصّہ آیا۔ اپنی جگہ سے اُٹھا اور بادشاہ سے عرض کی۔

"جہاں پناہ! اقبال بلند ہو۔ دوست شاد، دشمن برباد ہوں۔ بختگ نے آپ کی

اور آپ کے مہمان کی شان میں گستاخی کی ہے۔ اسے یہ بات کہنے کی جرأت کیوں ہوئی، جبکہ حضور خود اپنی زبانِ مبارک سے حمزہ کو اجازت عطا فرما چکے ہیں۔"

نوشیرواں نے لال پیلی آنکھوں سے بختک کو دیکھا۔ بختک بادشاہ کو جلال میں دیکھ کر کانپ گیا۔ اسی وقت گردن جھکائی اور اپنے قصور کی معافی مانگی۔ امیر حمزہ نے سفارش کی اور بادشاہ نے بختک کو معاف کر دیا۔

اب بادشاہ کے حکم سے اشرفیوں کے بھرے ہوئے کئی تھال لائے گئے جن کے اوپر سرخ ریشمی کپڑا پڑا تھا۔ یہ سب اشرفیاں امیر حمزہ کے سر پر سے نچھاور کی گئیں۔ غریب اور فقیر جھولیاں بھر بھر کر لے گئے۔ اس کے بعد شیشے کے بڑے بڑے پیالوں میں خوشبودار شربت آیا اور مہمانوں میں تقسیم ہونے لگا۔ نوشیرواں نے اپنے ہاتھ سے امیر حمزہ کو شربت پلایا۔ پھر بڑے بڑے نامی گرامی گویّے اور ساز بجانے والے حاضر ہوئے۔ انہوں نے اپنے کمال سے سب کو خوش کیا اور انعام پا کر رخصت ہوئے۔

اتنے میں امیر حمزہ نے نوشیر واں سے کہا۔

"عالی جاہ، ہم نے ایرانی گویّوں اور سازندوں کے کمالات دیکھے۔ واقعی یہ لوگ صاحبِ کمال ہیں۔ لیکن میں آپ سے درخواست کروں گا کہ تھوڑی دیر کے لیے عُمرو کا گانا بھی سُن لیجئے۔"

نوشیر واں نے عُمرو کو گانے کا حکم دیا۔ پہلے تو وُہ انکار کرتا رہا۔ مگر جب امیر حمزہ نے ڈانٹا کہ بادشاہوں کے رُوبرو ایسی گستاخی ٹھیک نہیں تو اس نے فوراً اپنے سامان میں سے حضرت داؤد علیہ السّلام کا بنایا ہُوا ایک ساز نکالا جس میں گھوڑے کی دُم کے دو بال بندھے ہوئے تھے۔ اِن تاروں پر اس نے اُنگلیاں پھیریں تو بادشاہ اور سب درباری جھومنے لگے۔ اس کے بعد عُمرو نے عربی زبان میں ایک گیت گایا جس میں بادشاہ کی تعریف کی گئی تھی۔ ہر طرف سے واہ واہ اور آفرین کے نعرے بلند ہونے لگے۔

بادشاہ اتنا خوش ہُوا کہ عُمرو کو اپنے قریب بُلایا اور انگلی سے انگوٹھی اُتار کر انعام میں دینے کا ارادہ کیا۔ مگر جب اُنگلی کو دیکھا تو اس میں انگوٹھی نہ تھی۔

یہ انگوٹھی بادشاہ کو بے حد عزیز تھی۔ کیونکہ یہ اس کے والد بادشاہ قباد نے اسے عطا کی تھی۔ اس کے اندر ایک نگینہ کالے رنگ کا جڑا ہُوا تھا جس کی قیمت کا نگینہ کسی سلطنت میں نہ تھا۔ اس کی انگوٹھی کے گم ہو جانے سے نوشیر واں کو بڑا رنج ہُوا۔ بزُر جمہر سے کہنے لگا۔

"ہماری سیاہ نگینے کی انگوٹھی گم ہو گئی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہماری انگلی میں موجود تھی۔ اعلان کرو کہ جس شخص نے ہماری انگوٹھی پائی ہو، وہ فوراً حاضر کر دے ورنہ تلاشی کے بعد جس کے پاس سے انگوٹھی نکل آئی، ہم اس کس زن بچّہ کو لھو میں پسوا دیں گے۔"

"حضور، اگر اجازت ہو تو میں آپ کے اب درباریوں کی تلاشی لوں؟" عُمرو نے بادشاہ سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ کی انگوٹھی انہی میں سے کسی کے پاس ہے۔"

بادشاہ نے اجازت دے دی۔ عُمرو ایک ایک شخص کے پاس گیا اور اس کے کپڑوں اور جیبوں کو ٹٹولنے لگا۔ تین چار آدمیوں کی تلاشی لینے کے بعد بختک

وزیر کے پاس جا کھڑا ہُوا اور اس سے کہا کہ تلاشی دو۔ عُمرو کی اس حرکت پر بختک کو پہلے ہی غصّہ آ رہا تھا۔ دانت پیس کر کہا۔

"بدمعاش۔۔۔ کیوں تیری شامت آئی ہے۔ بھلا ہم بادشاہ کے وزیر ہو کر انگوٹھی چُرائیں گے؟"

"صورت تو تمہاری چوروں کی سی ہے۔" عُمرو نے کہا۔

اب تو بختک کے غصّے کی حد نہ رہی۔ عُمرو پر ہاتھ اُٹھانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ عُمرو نے چلّا کر بادشاہ سے کہا۔

"دیکھئے حضور، یہ وزیر صاحب تلاشی نہیں دیتے۔"

"اے گستاخ۔ ہمارے حکم کی تعمیل کر۔" نوشیرواں نے گرج کر کہا "اگر تجھے عُمرو کو تلاشی دیتے ہوئے شرم آتی ہے تو اِدھر آ ہم خود تیری تلاشی لیتے ہیں۔"

بختک لرزتا، کانپتا نوشیرواں کے قریب پہنچا۔ بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے اس

کے کوٹ کی جیبیں ٹٹولیں اور اُوپر کی جیب سے انگوٹھی نِکل آئی۔ یہ دیکھ کر بادشاہ کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو گیا اور مُنہ سے جھاگ اُڑنے لگی۔ بختک کا حال یہ تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ کبھی انگوٹھی کو دیکھتا اور کبھی بادشاہ کے چہرے کی طرف۔ آخر نوشیرواں نے کہا۔

"بد بخت، ہم نے تجھے اپنا وزیر بنایا لیکن تو تو غلاموں سے بھی بدتر نکلا۔ ہماری انگوٹھی پر ہاتھ صاف کیا اور پھر عُمرو کو اسی ڈر سے تلاشی بھی نہیں دیتا تھا۔" یہ کہہ کر بزُرجمہر کی جانب دیکھا اور کہا۔

"فوراً جلّاد کو حاضر کرو کہ اس منحوس کی گردن اُڑا دے۔ یہ شخص زندہ رہنے کے قابل نہیں ہے۔"

بادشاہ کا حکم۔ آن کی آن میں جلّاد حاضر ہو گیا۔ بختک نے موت کا فرشتہ سر پر منڈلاتے دیکھا تو بے اختیار روتا ہُوا بادشاہ کے قدموں میں گرا اور قسمیں کھانے لگا کہ اس نے انگوٹھی ہرگز نہیں چرائی۔ یہ ضرور کسی کی شرارت ہے۔

بختک کے یہ الفاظ جب امیر حمزہ نے سُنے تو انہیں فوراً خیال آیا کہ ہو نہ ہو یہ عُمرو کی کارستانی ہے۔ اس نے بادشاہ کی انگوٹھی انگلی سے اُتاری اور بختک کی جیب میں ڈال دی ہو گی۔ اس موقع پر خاموش رہنا ٹھیک نہ تھا۔ کیوں کہ جلّاد بختک کے سر پر کھڑا تھا۔

امیر حمزہ اپنی جگہ سے اُٹھے اور نوشیرواں کے کان میں سب ماجرا کہا۔ نوشیرواں پہلے تو حیران ہُوا، پھر عُمرو کی طرف دیکھ کر ہنسا اور کہا۔

"تمہارا یہ دوست تو بڑا خطرناک آدمی ہے۔ ابھی بختک میرے ہاتھ سے مارا جاتا۔"

نوشیرواں نے بختک کی جان بخشی کی اور عُمرو کو وہی انگوٹھی انعام میں دے دی۔ پھر دربار برخاست کیا اور امیر حمزہ کو لے کر اپنے محل کی جانب روانہ ہُوا۔

اُسی روز شام کے وقت ایک آدمی عُمرو کے پاس رقعہ اور اشرفیوں کی تھیلی لے

کر آیا اس رُقعے میں بختک نے لکھا تھا۔

"پیارے بھائی عُمرو!

آج تم نے میرے ساتھ ایسا مذاق کیا کہ بادشاہ میری گردن مارنے کو تیار ہو گیا۔ میرا قصور معاف کرو۔ تم میرے استاد اور میں تمہارا شاگرد۔ پانچ سو اشرفیاں خالص سونے کی تمہارے لیے بھیج رہا ہوں۔ پانچ سو اشرفیاں چند روز بعد پیش کروں گا۔

آپ کا بھائی بختک"

عُمرو یہ خط پا کر بڑا خوش ہُوا۔ دل میں کہنے لگا آج کا دِن بڑا مبارک رہا کہ پانچ سو اشرفیاں مفت میں ملیں اور پانچ سو اشرفیاں چند دن بعد ملیں گی۔ اسی وقت خط کا جواب دیا جس میں لکھا تھا کہ اگر تم نے وعدے کے مطابق پانچ سو اشرفیاں اور بھجوادیں تو میری جانب سے کوئی اندیشہ نہ کرنا۔

اُدھر بادشاہ نے امیر حمزہ کی ایسی خاطر تواضع کی کہ درباری، وزیر اور پہلوان

امیر حمزہ کی جان کے دشمن ہو گئے۔ انہیں یہ حسد تھا کہ ہم اتنے دِن سے بادشاہ کی خدمت میں رہتے ہیں، بادشاہ نے آج تک ہم میں سے کسی کی اتنی عزّت نہیں کی اور یہ کل کا چھوکرا جو عرب کے ریگستان سے آیا ہے، ہم سے آگے نکل گیا ہے اور اس نے اپنے پھندے میں نوشیرواں کو پھانس لیا ہے۔ رستم جیسے عظیم پہلوان کی کرسی پر بیٹھتا ہے اور کوئی اسے ٹوکنے والا نہیں۔ روز سب مِل کر تدبیر سوچتے کہ کسی طرح نوشیرواں کی نظر سے امیر حمزہ کو گرائیں۔ مگر کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آتی تھی۔

ایک دن نوشیرواں دربار میں بیٹھا تھا اور مقدموں کے فیصلے کر رہا تھا کہ ایک پہلوان دربار میں آیا۔ بادشاہ، شہزادوں اور امیر حمزہ کے سوا سب درباری، امیر، وزیر اور پہلوان اسے دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اُٹھے اور جھک جھک کر سلام کرنے لگے۔ اس پہلوان نے نوشیرواں کے قریب جا کر اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اکڑتا ہُوا شہزادہ ہُرمز کے قریب رکھی ہوئی ایک کُرسی پر جا بیٹھا۔ امیر حمزہ نے اس کو غور سے دیکھا۔ اس کا قد تقریباً سات فِٹ لمبا تھا اور

جسم بڑا طاقتور۔ آنکھیں سُرخ اور گھنی مُونچھوں کی نوکیں اوپر کو مُڑی ہوئی تھیں۔

امیر حمزہ کو دیر تک گھورنے کے بعد اس نے کہا "اے شخص، تو کون ہے اور تجھے یہ جرأت کیوں کہ ہوئی کہ تم رستم کی کرسی پر بیٹھے؟ کیا تُجھے کسی نے یہ نہیں بتایا کہ اب اس کرسی پر میرا باپ گستم پہلوان بیٹھتا ہے؟ جان کی سلامتی چاہتا ہے تو اس کرسی سے اُٹھ جا اور کسی دوسری جگہ بیٹھ۔"

امیر حمزہ خاموش رہے اور اس کی بکواس کا کُچھ جواب نہ دیا۔ اس پر پہلوان نے نوشیرواں سے کہا۔

"حضور، یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے مجھے لڑائی کے واسطے کابل بھجا اور میرے باپ گستم کو چین روانہ کیا اور ہماری غیر حاضری میں اس عرب نوجوان کو رستم کی کرسی پر بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ اب اسے حکم دیجئے کہ فوراً یہاں سے اُٹھ جائے، ورنہ میرے ہاتھ سے مارا جائے گا۔"

اب تو امیر حمزہ کے غصّے کی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے نوشیر واں سے کہا" جہاں پناہ، یہ کون ہے جسے دربار کے آداب کی بھی پروا نہیں؟"

"اس کا نام فولاد پہلوان ہے اور یہ گستم پہلوان کا بیٹا ہے۔" نوشیر واں نے جواب دیا۔

"گستم میرے ملک کا سب سے بڑا پہلوان ہے۔ میں نے اُسے ایک مہم پر چین بھیجا ہے۔ چند روز تک واپس آجائے گا۔ وُہ اسی کرسی پر بیٹھتا ہے جس پر تُم بیٹھے ہو۔"

امیر حمزہ یہ سُن کر ہنسے اور کہا۔

"حضور، اگر اجازت ہو تو میں فولاد کو سبز سکھا دوں تا کہ آیندہ ایسی بدتمیزی کی جرأت نہ کرے۔"

اُنہوں نے یہ جملہ آہستہ سے کہا مگر فولاد نے سُن لیا۔ مٹھیاں بھینچ کر اُٹھا اور گرجدار لہجے میں کہنے لگا۔

”بادشاہ کے پاس بیٹھ کر ڈینگیں مارنا بُزدلوں کا کام ہے۔ بہادر ہو تو آن کر مجُھ سے پنجہ ملاؤ۔“

”میں بھی یہی چاہتا ہوں۔“ امیر حمزہ نے کہا اور اُٹھ کر فولاد کی جانب بڑھے۔ وہ مغرور اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اور ہاتھ آگے کر دیا۔

امیر حمزہ نے اس کا پنجہ اپنے ہاتھ میں لے کر اس زور سے دبایا کہ فولاد کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ تکلیف کی شدّت سے چہرہ پسینے سے نہا گیا۔ حمزہ نے جھٹکا دیا تو وُہ مُنھ کے بل زمین پر گرا۔ اب انہوں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور کہا۔

”میں گرے ہوئے دشمن پر ہاتھ اُٹھانا اچھا نہیں سمجھتا۔ ہمّت ہے تم اُٹھو اور میرے سامنے آؤ۔“

یہ سُن کر فولاد نے اپنی کمر سے بندھا ہُوا خنجر نکالا اور امیر حمزہ پر حملہ کیا۔ اُنہوں نے ایک طرف اُچھل کر وار بچایا اور فوراً ہی ایک ایسا گھونسا اس کی پسلیوں میں مارا کہ وہ درد سے دُہرا ہو کر شہزادہ ہُرمُز کے اُوپر جا گرا۔

شہزادے کو تاؤ آ گیا۔

اس نے فولاد کے پیٹ میں ٹھوکر ماری اور وُہ گیند کی مانند لڑھکتا ہُوا دوبارہ امیر حمزہ کی طرف آیا۔ انہوں نے پھر ایک گھونسا اس کی ناک پر دیا۔ ناک سے خُون کا فوّارہ نکلا اور وُہ چیختا چلّاتا باہر بھاگ گیا۔

"اگر اس کا کوئی اور حمائتی ہے تو میدان میں آئے۔" امیر حمزہ نے ایرانی پہلوانوں کی طرف دیکھ کر کہا مگر اُن سب کو سانپ سونگھ گیا۔ کوئی شخص مقابلے میں نہ آیا۔

نوشیر واں نے امیر حمزہ کو شاباش دی اور کہا "بے شک رُستم کی کرسی پر بیٹھنے کا تم نے حق ادا کر دیا۔ یہ فولاد اپنے آگے کسی کو کُچھ نہ سمجھتا تھا۔ اچھّا ہُوا تم نے اسے سبق سکھا دیا۔" اس واقعے سے سب مخالف پہلوانوں اور سرداروں پر امیر حمزہ کا رُعب بیٹھ گیا اور وُہ پہلے سے بھی زیادہ ان کی عزّت کرنے لگے۔ مگر بختک وزیر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا اور جلتا بھُنتا رہتا تھا۔

ایک دن خبر آئی کہ گستم پہلوان چین کے باغی بادشاہ بہرام کو گرفتار کر کے لے آیا ہے اور مدائن سے کئی کوس دُور اس کا لشکر ٹھہرا ہے۔ اب وُہ نوشیر واں کے حکم کا منتظر ہے کہ جب نوشیر واں آئے تو شہر میں داخل ہو۔

نوشیر واں یہ خبر سُن کر بے حد خوش ہُوا۔ امیر حمزہ کو بُلا کر کہا کہ سب سرداروں کو لے کر جائیں اور گستم پہلوان کو عزّت سے شہر میں لائیں۔ یہ حکم پا کر امیر حمزہ نے اپنا لشکر تیار کیا اور شہر سے باہر چلے۔ اُدھر بختک شیطان کے ذہن میں ایک تدبیر آئی۔ بہانہ کر کے امیر حمزہ کے ساتھ نہ گیا، بلکہ پہلے ہی سے گستم پہلوان کے پاس پہنچ گیا۔ وُہ اپنے عالیشان خیمے میں بیٹھا مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا۔

بختک کو آتے دیکھا تو خوش ہو کر بولا۔

"آیئے آیئے۔ میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ بادشاہ سلامت میرے استقبال کے لیے آپ ہی کو بھیجیں گے۔"

"اپنی ایسی قسمت کہاں۔" بختک نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"کیوں؟ کیا بات ہے؟ آپ بہت پریشان دکھائی دیتے ہیں؟" گستم نے حیران ہو کر پوچھا۔

"بس بھائی۔ خیر ہی نہیں ہے۔" بختک جھُوٹ مُوٹ کے آنسو بہانے لگا۔ "آج کل ہمارے بادشاہ سلامت عرب کے ایک شخص کے قبضے میں ہیں۔ جو وُہ کہتا ہے، وہی کرتے ہیں اور اس کی بات کے سوا کسی اور طرف کان نہیں دھرتے۔ اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ وُہ عرب تمہاری کرسی پر بیٹھتا ہے اور ابھی چند روز ہوئے اس نے بھرے دربار میں تمہارے بیٹے فولاد کا مار مار کر بھُرکس نکال دیا تھا۔"

بختک کے مُنھ سے یہ کلمے سُن کر گُستم کی شکل ایسی ڈراؤنی ہو گی کہ وُہ غلام تھر تھر کانپنے لگے جو اس کے سامنے ہاتھ باندھ کھڑے تھے۔ وُہ ایک دم اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور چیخ کر بولا۔

”کیا یہ بات سچ ہے؟ وُہ کون بد بخت ہے؟ اس کا نام بتاؤ۔“

”اس کا نام حمزہ ہے۔ مکّے کے رئیس کا بیٹا ہے۔ سُنا ہے کہ اپنے آپ کو دنیا کے تمام پہلوانوں اور بہادروں سے بڑھ کر سمجھتا ہے۔ اس نے حشّام ڈاکو کو مار کر بادشاہ کا تخت و تاج واپس دلایا۔ اسی لیے اس کی اتنی قدر کی جاتی ہے۔ اب حال یہ ہے کہ اس کے دوست دربار میں دندناتے پھرتے ہیں اور کوئی اُن کی گردن ناپنے والا نہیں۔“

”گھبرائیے نہیں۔ اب میں آگیا ہوں۔ مگر یہ تو بتائیے کہ امیر حمزہ کیا واقعی بہت زبردست پہلوان ہے؟“

”دیکھنے میں تو معمولی آدمی ہے۔ لیکن نہ معلوم اس کے اندر کون سی طاقت بھری ہوئی ہے کہ جسے چاہتا ہے، اُٹھا کر زمین پر دے مارتا ہے۔ بادشاہ نے اسے تمہارے استقبال کے لیے روانہ کیا ہے۔ بس آتا ہی ہو گا۔ تُم ایسا کرنا کہ گلے ملنے کے بہانے ذرا اس کی ہڈّیاں پسلیاں سہلا دینا اور جب تک اس کی چیخیں نہ نکلیں، ہرگز نہ چھوڑنا۔ اسے پتا تو چلے کہ گستم پہلوان کیا بلا ہے؟“

"یہی کروں گا۔" پہلوان نے خوش ہو کر کہا۔ "ذرا آنے تو دو۔ چھٹی کا دُودھ یاد نہ دلا دیا ہو تو میرا کچھ اور نام رکھ دینا۔"

اتنے میں دُور سے نقارہ بجنے کی آواز سُنائی دی۔ بختک نے گھبرا کر کہا۔

"امیر حمزہ کی سواری آن پہنچی۔ یہ آواز اُسی کے نقارے کی ہے۔ اب میں چلتا ہوں۔ تم اس کی ہڈّیاں توڑے بغیر نہ چھوڑنا۔"

غرض گستم کو خوب سکھا پڑھا کر بختک وہاں سے رفُو چکّر ہُوا اور امیر حمزہ کے لشکر سے جا ملا۔ اِدھر گستم بھی جھٹ پٹ اپنی فوجی وردی پہن اور پُورے ہتھیار باندھ کر خیمے سے باہر نکلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ لشکر کے آگے آگے ایک حسین نوجوان عربی لباس پہنے، سیاہ رنگ کے ایک گھوڑے پر سوار چلا آ رہا ہے۔ اس کے دائیں بائیں نوشیرواں کے کئی وزیر اور فوجی سردار ہیں۔ پہلوان بھی اس کے پیچھے پیچھے گردنیں جھکائے چلے آتے ہیں۔ گستم سمجھ گیا کہ یہی شخص امیر حمزہ ہے۔ وُہ مکّاری سے خوش ہوتا ہُوا آگے گیا۔ امیر حمزہ فوراً گھوڑے سے اُترے اور گستم سے بغل گیر ہُوئے۔ گستم نے آہستہ آہستہ زور

لگانا شروع کیا۔ ساتھ ساتھ کہتا جاتا تھا۔

"بھائی، مجھے تم سے ملنے کا بڑا شوق تھا۔ ابھی ابھی ایک شخص میرے پاس آیا تھا اور تمہاری تعریفیں کر رہا تھا۔ جیسا سُنا ویسا ہی پایا۔"

یہ کہہ کر امیر حمزہ کی کمر میں دونوں بازو ڈال کر اور زور لگایا۔ امیر حمزہ پہلے تو حیران ہُوے۔ پھر خیال آیا کہ اوہو یہ تو میری طاقت کا امتحان کر رہا ہے۔ اچھا ہے۔ امتحان کر لینے دو۔ گستم جب پوری طاقت صرف کر چکا اور امیر حمزہ کی کوئی ہڈّی نہ چٹخی تو ہانپتا ہُوا الگ ہو گیا۔ مگر اب امیر حمزہ اُسے کہاں جانے دیتے تھے۔ آگے بڑھ کر پھِر لپٹ گئے اور کہنے لگے۔

"بھائی گستم، ایک مرتبہ اور گلے ملو۔" یہ کہہ کر اس زور سے اُس کی پسلیاں دبائیں کہ اس کا پاخانہ نکل گیا۔ اس نے امیر حمزہ سے کہا۔

"بھائی، واقعی تم جواں مرد ہو۔ میں تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مگر اتنی مہربانی کرنا کہ یہ بات کسی اور کو نہ بتانا۔"

امیر حمزہ یہ سُن کر ہنسے اور وعدہ کیا کہ کسی سے اس کا ذکر نہ کریں گے۔

خطرناک سازش

امیر حمزہ اور گستہم پہلوان جب شہر مدائن کی جانب چلے تو عُمرو عیّار نے امیر حمزہ کے کان میں کہا۔

”میں نے ایک بہت بڑا صندوق دیکھا ہے جس کی حفاظت پہرے دار کر رہے ہیں اور کسی کو اس صندوق کے نزدیک نہیں آنے دیتے۔ معلوم کرنا چاہیے کہ اس صندوق میں کیا ہے؟“

یہ سُن کر امیر حمزہ نے اپنے گھوڑے کا رُخ پھیرا اور گستہم کی فوج میں گھُس گئے۔ عُمرو سچ کہتا تھا۔ چار ہزار سواروں کی حفاظت میں لکڑی کا ایک صندوق گھوڑا گاڑی پر رکھا تھا۔ امیر حمزہ کو قریب آتے دیکھ کر ان سواروں نے راستہ چھوڑ دیا۔

”یہ صندوق کس کا ہے اور تم کہاں سے لائے ہو۔“ امیر نے پوچھا۔

”جناب، اس کے اندر چین کا باغی بادشاہ بہرام بند ہے۔ ہمارے سپہ سالار گستم پہلوان نے اسے گرفتار کیا ہے اور اب بادشاہ کے پاس لے جا رہے ہیں۔“

”صندوق کے اندر ایک دُشمن بادشاہ کو قید کرنا کہاں کی بہادری ہے۔“ امیر حمزہ نے کہا۔

”فوراً صندوق کھولو۔“۔

مُحافظوں نے ڈرتے، جھجھکتے صندوق کا ڈھکنا کھولا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک لمبا تڑنگا جوان، زنجیروں میں بندھا بے ہوش پڑا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کئی دن تک بھوکا پیاسا رہنے سے بے ہوش ہو گیا ہے۔ امیر حمزہ نے پانی منگا کر اس کے چہرے پر چھڑکا، کُچھ حلق میں ٹپکایا، تب وُہ ہوش میں آیا اور اس نے آنکھیں کھولیں۔ امیر حمزہ کو اپنے اوپر جھکے ہوئے دیکھ کر کہنے لگا۔

”اے جوان، تو کون ہے؟ تو نے اس وقت میرے ساتھ نیکی کی اور حلق میں پانی ٹپکایا، ورنہ میں تو اس صندوق میں پندرہ روز سے بھوکا پیاسا قید ہوں۔ جب کبھی پانی مانگا اِن کم بختوں نے بے ہوشی کی دوا پلائی۔“

”میرا نام حمزہ ہے اور میں آج کل نوشیرواں کے دربار میں ہُوں۔ اچھا، یہ تو بتا کہ گستم پہلوان نے تمھیں کس طرح گرفتار کیا؟“

یہ سُن کر بہرام کے خُشک ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہُوئی۔ کہنے لگا۔

”گستم کی کیا طاقت کہ مُجھے گرفتار کرے۔ جب وُہ مجھ سے لڑنے آیا تو پہلے ہی دن میں نے اسے اتنا مارا کہ اس کی ناک اور کان سے خون جاری ہُوا اور قریب تھا کہ میں اسے موت کے دروازے تک پہنچاؤں کہ وُہ میرے قدموں پر گِر پڑا اور تمام عُمر میرا غُلام رہنے کا وعدہ کیا۔ میں نے اُسے گلے سے لگایا اور اپنے پاس رکھا۔ ہم دونوں دوست بن گئے اور میں ہر سفر اور شکار میں اُسے ساتھ لے جانے لگا۔ ایک دن ایسا ہُوا کہ جنگلی ہرن کے پیچھے بھاگتے ہوئے ہم اپنی فوج سے الگ ہو کر ایک صحرا میں جا نکلے۔ غضب کی گرمی تھی۔ پیاس کے

مارے میرے حلق میں کانٹے پڑ گئے۔ اِتّفاق سے پانی بھی نہ ملا۔ تب گستم نے اپنی جیب سے ایک شیشی نکالی اور کہا۔ "میرے پاس آبِ حیات کے چند قطرے ہیں۔ انہیں اپنی بجھانے کے لئے کام میں لائیے۔ میں نے سوچے سمجھے بغیر شیشی کا پانی مُنھ میں انڈیل لیا۔ کُچھ جان میں جان آئی مگر تھوڑی دُور جانے کے بعد ہی میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور گھوڑے سے گِر پڑا۔ جب آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو اس صندوق میں بند پایا۔ یہ ہے داستان میری گرفتاری کی۔

امیر حمزہ نے وقت محافظوں کر حکم دیا کہ بہرام کو آزاد کیا جائے۔ محافظوں نے فوراً گستم کو خبر کی۔ پہلے تو وُہ لڑائی جھگڑے پر آمادہ ہُوا پھر بختک نے اُسے الگ لے جا کر سمجھایا کہ حمزہ جو کرتا ہے، کرنے دو۔ تم نوشیرواں سے جا کر شکایت کر دینا کہ حمزہ نے ایک باغی دشمن کو قید سے آزاد کر دیا اور شاہی کام میں دخل دیا۔ نوشیرواں آگ بھگولا ہو کر حمزہ کے قتل کا حکم جاری کر دے گا۔

گستم کی کھوپڑی میں یہ تدبیر سما گئی اور امیر حمزہ کے پاس آ کر کہنے گا۔

"آپ اپنی ذمّہ داری پر بہرام کو رہا کر سکتے ہیں۔ بادشاہ اگر مُجھ سے پوچھے گا تو صاف صاف کہہ دُوں گا کہ آپ نے بہرام کو میری قید سے چھڑایا ہے۔"

"ہاں، ہاں بڑے شوق سے کہنا۔ ہمیں دھمکانے کی ضرورت نہیں۔" عُمرو نے بِپھر کر جواب دیا۔ اب پہلی بار گستم پہلوان عُمرو کو دیکھا اور حیرت سے بول اُٹھا۔

"یہ مسخرہ کون ہے؟ قسم ہے اگر یہ امیر حمزہ کا دوست نہ ہوتا تو ابھی اِس کا خون پی جاتا۔"

"مر گئے خون پینے والے۔" عُمرو نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "بھیّا اپنی جان کی خیر مناؤ۔"

یہ سُن کر گستم کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ گھوڑے سے چھلانگ لگا کر اُترا اور عُمرو کی طرف جھپٹا۔ مگر عُمرو اُچھل کر پرے جا کھڑا ہوا اور مُنھ چڑانے لگا۔

گستم پھر اُس کی طرف گیا لیکن عُمرو بھلا اس کے ہاتھ کہاں آتا۔ غرض عُمرو نے گستم کو دوڑا دوڑا کر بد حواس کر دیا۔

اِدھر امیر حمزہ نے بہرام کو ایک گھوڑے پر سوار کیا اور اپنے ساتھ لے چلے۔ شہر مدائن میں پہنچ کر بہرام کو بادشاہ کے محل لے جانے کے بجائے اپنے مکان پر لے گئے اور غلاموں کو حکم دیا کہ بہرام کو گرم پانی سے خُوب مَل مَل کر نہلائیں۔ نہلانے کے بعد اس کے سامنے لذیذ کھانے چُن دیے گئے۔ وہ ہفتوں کا بھُوکا تھا۔ دیکھتے دیکھتے سب چَٹ کر گیا۔ امیر حمزہ نے ایک آرام دہ بستر اس کے لیے لگوایا اور کہا کہ اطمینان سے سو جاؤ۔ خُدا نے چاہا تو تمہارا کوئی بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔

اِدھر تو امیر حمزہ بہرام کی خاطر تواضع میں لگے ہوئے تھے۔ اُدھر گستم پہلوان اور بختک نے بادشاہ کے دربار میں پہنچ کر دُہائی دی اور اتنا غُل غپاڑا کیا کہ نوشیرواں پریشان ہو گیا۔ آخر پتا چلا کہ حمزہ نے گستم کے لشکر میں جا کر اس کی بے عزّتی کی ہے اور بہرام کو زبردستی قید سے رہا کرا کے اپنے ساتھ

لے گیا ہے۔ اُنہوں نے یہ داستان ایسی نمک مرچ لگا کر بادشاہ کو سُنائی کہ اُسے یقین آ گیا اور وُہ غصّے سے لال پیلا ہُو کر چلّایا۔

"حمزہ کی یہ جرأت کہ ہمارے ایک دشمن کو اپنے ساتھ لے جائے اور ہمارے ایک سپہ سالار کی بے عزّتی کرے۔ ابھی حاضر کرو۔"

دَم کے دَم میں ہرکارے دوڑے ہوئے گئے اور امیر حمزہ کو ساتھ لے آئے۔ انہوں نے دربار میں داخل ہوتے ہی بھانپ لیا کہ گستہم اور بختک کیا گُل کھلا چکے ہیں۔ نوشیرواں زخمی درندے کی طرح ٹہل رہا تھا۔ امیر حمزہ نے قریب پہنچ کر سات سلام کیے۔ بادشاہ نے گھورتے ہُوئے کہا۔

"اے عرب نوجوان، ہم نے تیری بڑی عزّت کی۔ تُجھے اپنے ملک میں بُلایا۔ اپنے قریب بٹھایا۔ ہر طرح کا تجھے عیش و آرام نصیب ہے۔ مگر تو نے ہمیں اس کا یہ صِلہ دیا کہ ہمارے ایک زبردست دُشمن کو جسے ہمارا سپہ سالار گستہم پہلوان اتنی خون ریز لڑائی کے بعد گرفتار کر کے لایا تھا، چھوڑ دیا۔"

”جہاں پناہ کا اِرشاد سر آنکھوں پر۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ میں نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے آپ کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو۔ بہرام کو گستم نے دھوکا دے کر قید کیا اور یہ آپ جیسے عادل بادشاہ کے سپہ سالار کی شان کے خلاف ہے۔ اس میں آپ کی بڑی بدنامی ہے۔ دُوسرے بادشاہ جب سُنیں گے تو کیا کہیں گے۔ بہرام کہیں نہیں گیا۔ میرے پاس ہے، جب جی چاہے اُسے حاضر کر دوں گا۔“

نوشیرواں نے اب گستم کی جانب دیکھا۔ امیر حمزہ کی بات سُن کر اُس کا رنگ اُڑ گیا۔ کہنے لگا۔

”حضور، بہرام جھوٹ بولتا ہے۔ میں نے اُسے دھوکے سے نہیں پکڑا، بلکہ کِی دِن کی جنگ کے بعد وُہ قابو میں آیا ہے۔“

”بہرام کو فوراً حاضر کیا جائے۔“ نوشیرواں نے حکم دیا۔

امیر حمزہ نے عُمرو کو اشارہ کیا۔ وُہ بجلی کی طرح گیا اور بہرام کو ساتھ لے کر آ

گیا۔ نوشیر واں نے اس کی زبانی تمام واقعات سُنے تو بہت حیران ہوا۔ آخر میں بہرام نے کہا۔

”اے نوشیر واں، تو بھی بادشاہ ہے اور میں بھی بادشاہ ہوں۔ بادشاہوں کو جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔ کئی دن تک بھوکا پیاسا رہنے کے باعث کمزور ہو گیا ہوں، مگر اب بھی گستم پہلوان جیسے دو آدمیوں سے اکیلا ہی لڑ سکتا ہوں۔ گستم سامنے موجود ہے، اُسے حکم دے کہ مُجھ سے مقابلہ کرے۔ اگر اُس نے مجھے پچھاڑ دیا تو اسی وقت تلوار سے میری گردن اُتار دینا۔“

سب لوگوں کی نظریں گستم پر جمی ہوئی تھیں لیکن بہرام کی تقریر سُن کر وہ اتنا خوف زدہ ہوا کہ سامنے نہ آ سکا۔ تب نوشیر واں نے جان لیا کہ بہرام سچ کہتا ہے۔ اسی وقت اُسے آزاد کیا اور کہا۔

”تم چاہو تو اپنے وطن واپس جا سکتے ہو۔“

”اب میں حمزہ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔“ بہرام نے جواب دیا۔ ”مجھے ان

سے محبت ہو گئی ہے اور میں انہیں بھائی سمجھتا ہوں۔"

بہرام کی یہ بات سُن کر امیر حمزہ خُوش ہوئے اور کہا کہ اب میں بھی تمہیں اپنا بھائی سمجھوں گا۔ اس کے بعد نوشیرواں نے جلّاد کو حاضر ہونے کا حکم دیا اور اس سے کہا "ابھی ہمارے سامنے گستم بدبخت کو ہلاک کر کے اس کی بوٹیاں چِیل کوّوں کو کھلا دو۔"

سب درباری خوف سے کانپنے لگے۔ خود گستم کی حالت یہ تھی کہ چہرہ ہلدی کی طرح زرد پڑ گیا تھا۔ جلّاد بادشاہ کے اشارے کا منتظر تھا۔ اچانک امیر حمزہ آگے بڑھے، بادشاہ کے تخت کو چوما اور ہاتھ باندھ کر کہا۔

"حضور، جان کی امان پاؤں تو کُچھ عرض کروں؟"

"اجازت ہے۔" نوشیرواں نے کہا۔

"حضور گستم کی خطا معاف کی جائے۔ مجُھے اُمّید ہے کہ یہ آیندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔"

امیر حمزہ کی زبان سے یہ الفاظ سُن کر سب درباریوں اور پہلوانوں نے آفرین کہی۔ نوشیرواں بھی خوش ہُوا۔ اُس نے گستم سے کہا۔

”دیکھ او بد بخت، حمزہ تیری سفارش کرتا ہے۔ اس لیے ہم تیری جان بخشی کرتے ہیں، ورنہ تیرا قُصور ایسا تھا کہ زندہ نہ چھوڑا جاتا۔“

گستم دوڑ کر امیر حمزہ کے قدموں میں گر پڑا اور رونے لگا۔ امیر حمزہ نے اُٹھا کر سینے سے لگا لیا۔

امیر حمزہ نے گستم پہلوان کی جان بچائی تھی۔ اُس کا فرض تھا کہ یہ احسان کبھی نہ بھولتا۔ لیکن دل ہی دل میں وُہ امیر حمزہ کا دشمن بن گیا۔ اُسے اس بات پر حسد تھا کہ امیر حمزہ نے دربار میں اس کی جگہ لے لی تھی اور بادشاہ ان سے زیادہ کسی اور کی عزّت نہ کرتا تھا۔ بختک نے بھی گستم کے کان بھرنے شروع کیے۔ روزانہ اس کے پاس جاتا اور امیر حمزہ کی برائیاں کرتا۔ آخر گستم نے ایک دن بختک سے کہا۔

"امیر حمزہ سے لڑائی بھڑائی کرنا تو اپنے بس کی بات نہیں۔ وُہ ہم سے زیادہ طاقت ور ہے۔ ہاں چالاکی اور مکّاری سے کام لے کر اس کا قصّہ پاک کیا جا سکتا ہے۔ آپ فکر نہ کیجئے۔ میں نے ایک ایسی تدبیر سوچی ہے کہ حمزہ بچ کر نہ جائے گا۔"

اُنھی دِنوں امیر حمزہ نے اپنے والد کے نام خط لکھ کر عُمرو کو دیا اور کہا کہ مکّے جاؤ اور یہ خط پہنچا دو۔ عُمرو امیر حمزہ کو چھوڑ کر جانا نہ چاہتا تھا، مگر مجبور ہو کر خط لیا اور روانہ ہو گیا۔ بختک کو عُمرو کے جانے کی خبر ملی تو اُسی وقت گستہم کے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔

"امیر حمزہ کا عیّار دوست چلا گیا ہے۔ مجھے اس شخص سے بڑا ڈر لگتا تھا کہ نہ جانے کیا کر بیٹھے۔ آدمی کیا ہے آفت کا پرکالہ ہے۔ اب موقع اچھا ہے۔ امیر حمزہ سے بدلہ لو۔"

اگلے روز گستہم امیر حمزہ کے مکان پر آیا۔ امیر حمزہ نے بڑی محبّت سے اس کا استقبال کیا۔ اپنے برابر بٹھایا اور خاطر تواضع کے بعد پوچھنے لگے۔

”بھائی گستم، تمہارے آنے کی بڑی خوشی ہوئی۔ کبھی کبھی آجایا کرو۔“

”جناب، میں آپ کا غلام ہوں۔“ گستم نے کہا۔ ”اور یہ عرض کرنے آیا ہوں کہ کل کھانا میرے ساتھ کھایئے۔ شہر سے کُچھ فاصلے پر میں نے ایک باغ لگوایا ہے۔ وہیں آپ کی دعوت ہو گی۔“

امیر حمزہ سوچ میں پڑ گئے کہ دعوت قبول کریں یا انکار کر دیں۔ لیکن گستم نے ایسی خوشامد کی کہ اُن سے انکار نہ ہو سکا۔

”اچھا بھائی، ہم ضرور آئیں گے، مگر شرط یہ ہے کہ ہمارے ساتھ بہرام اور مُقبِل وفادار بھی ہوں گے۔“

”جی ہاں، انہیں بھی ساتھ لایئے۔ مُجھے خوشی ہو گی۔“ گستم نے کہا اور سلام کر کے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد امیر حمزہ نے بہرام اور مُقبِل وفاداری سے دعوت کا ذکر کیا۔ بہرام کہنے لگا۔

”مُجھے شک ہے کہ گستم کے دل میں بدی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی شرارت

کرے۔"

"نہیں بھائی، ایسی بات نہ سوچو۔" امیر حمزہ نے کہا۔ "بھلا وُہ ہم سے بری کیوں کرنے لگا۔"

دوسرے دِن گستم خود امیر حمزہ کو لینے آیا۔ مُقبِل وفادار اور بہرام دونوں امیر حمزہ کے ساتھ ساتھ چلے۔ گستم اُنہیں ایک سرسبز باغ میں لے گیا۔ ایک خوش نما بارہ دری میں مہمانوں کو بٹھایا اور غلاموں کو حکم دیا کہ ان کا دل بہلائیں۔ طرح طرح کے کھیل تماشے شروع ہوئے۔ اس اثنا میں گستم نے باغ کے چاروں طرف اپنے سپاہی پھیلا دیے اور انہیں سمجھا دیا کہ جب میں سیٹی بجاؤں، تم باغ کے اندر آکر امیر حمزہ پر حملہ کر کے انہیں مار ڈالنا۔

سپاہیوں کو سمجھا بُجھا کر گستم نے دستر خوان بچھانے کو حکم دیا۔ قسم قسم کے لذیذ کھانے مہمانوں کے لیے چُنے گئے۔ گستم نے سالن کی ایک پلیٹ میں بے ہوشی کی دوا ملائی اور یہ پلیٹ امیر حمزہ کے آگے رکھوا دی۔ کھانا شروع ہُوا تو امیر حمزہ نے اس پلیٹ میں سے بھی تھوڑا سا سالن نکال کر کھایا اور کھاتے

ہی انہیں نیند آنے لگی۔ گستم موقع کی تلاش میں تھا۔ فوراً سیٹی بجائی۔ چار سو سپاہی، جو باغ کے چاروں طرف گھاس میں چھُپے ہوئے تھے، نعرے لگاتے اور تلواریں چمکاتے ہوئے آ گئے۔

گستم نے بھی تلوار نکالی اور للکار کر کہا۔

"اے حمزہ، ہوشیار ہُو جا کہ تیری موت آن پہنچی۔"

مُقبِل وفادار اور بہرام یہ دیکھ کر بھونچارہ گئے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے بہرام نے اپنے آپ کو امیر حمزہ پر گرا دیا۔ ورنہ گستم کی تلوار امیر حمزہ کا کام تمام کر چکی تھی۔ بہرام سخت زخمی ہوا۔ گستم کی تلوار اس کے پیٹ میں تیر گئی تھی۔ اُدھر مُقبِل نے اپنے کمان سنبھالی اور اس تیزی سے سپاہیوں پر تیر برسائے کہ ان میں سے بہت سے زخمی ہو کر گِرے اور ٹھنڈے ہو گئے۔ گستم پہلوان یہ سمجھا کہ اس کے حملے سے امیر حمزہ مارے گئے ہیں۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو بھاگ جانے کا حکم دیا اور خود بھی رفو چکر ہو گیا۔

مقبل وفادار نے امیر حمزہ کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کیں۔ تھوڑی دیر بعد بے ہوشی کی دوا کا اثر جاتا رہا تو انہوں نے دیکھا کہ بہرام سخت زخمی ہے۔ باغ میں اور بارہ دری میں اِدھر اُدھر سپاہیوں کی لاشیں بکھری پڑی ہیں اور گستم پہلوان غائب ہے۔ تب مُقبِل نے سارا قصّہ سُنایا اور کہا۔

"بھائی حمزہ، بہرام کی جلد خبر لیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ مر جائے۔"

"خُدا کی قسم اگر بہرام مر گیا تو گستم پہلوان کو میں اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔" امیر حمزہ نے کہا اور ان کے چہرے کا رنگ انار کی طرح سُرخ ہو گیا۔ انہیں کسی طرح یقین نہ آتا تھا کہ گستم ایسی مکّاری بھی دکھا سکتا ہے۔ غرض ان دونوں نے کِسی نہ کِسی طرح بے ہوش اور خُون میں لت پت بہرام کو سنبھالا اور باغ سے باہر چلے۔

اتنی دیر میں شہر مدائن کے اندر یہ خبر پھیل گئی کہ گستم پہلوان نے امیر حمزہ کو مار ڈالا ہے۔ شہر میں کھلبلی مچ گئی۔ ہزاروں لوگ بادشاہ کے محل کی طرف جانے لگے۔ خواجہ بزُرجمہر کو پتا چلا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فوراً نوشیرواں کے پاس گئے اور اس حادثے کی اطلاع دی۔ نوشیرواں کا سانس اُوپر کا اُوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ یکایک جلال میں آکر اُٹھا اور ساطُور نامی پہلوان کو بُلا کر حکم دیا کہ تین ہزار سپاہیوں کو ساتھ لے جا کر گستم کو گرفتار کر کے لا۔ ساطور سلام کر کے رخصت ہُوا۔

خواجہ بزُرجمہر بھی سب امیروں اور وزیروں کو لے کر گستم کے باغ کی جانب روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ امیر حمزہ صحیح سلامت ہیں، البتہ بہرام سخت زخمی ہے۔

امیر حمزہ نے بزُرجمہر سے کہا "گھبرانے کی بات نہیں۔ بہرام ٹھیک ہو جائے گا۔"

بزُرجمہر نے جلدی سے بہرام کو ایسی دوا دی کہ ہوش میں آ گیا۔ اس کے بعد

انہوں نے اس کے زخموں کی مرہم پٹّی کی۔

اس کام سے فُرصت پا کر نوشیرواں کو خبر دی گئی کہ امیر حمزہ خیریت سے ہیں۔ صرف بہرام زخمی ہُوا ہے۔ نوشیرواں نے اس خبر پر بڑی خوشی کی، غریبوں میں اشرفیاں اور جواہرات تقویم کئے اور سارے شہر میں جشن کا حکم دیا۔ خواجہ بزُرجمہر نے بادشاہ سے کہا کہ امیر حمزہ اور بہرام کو القش کے باغِ بے داد میں بھیج دیا جائے تا کہ وہاں چند روز آرام سے رہیں اور کوئی غیر شخص ان کے پاس جانے نہ پائے۔ بادشاہ نے اس تجویز کو منظور کیا۔ بہرام، امیر حمزہ اور مُقبِل وفادار باغِ بے دار میں داخل ہوئے۔ پہرے کے لیے عادی پہلوان بھی ان کے ساتھ تھا۔ اسے باغ کے دروازے پر بٹھا دیا گیا اور کہہ دیا گیا کہ کسی شخص کو اندر نہ آنے دے۔

امیر حمزہ نے باغِ بے داد کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ جا بجا خوش نما درخت اور پودے تھے اور کیاریوں میں رنگ برنگے پھول کِھلے ہوئے تھے۔ باغ کے چاروں کونوں میں عالی شان بارہ دریاں بنی تھیں اور فوّاروں میں پانی میں

موتیوں کی مانند اُچھل رہا تھا۔ طرح طرح کے حسین پرندے درختوں کی شاخوں اور ٹہنیوں پر بیٹھے چہچہا رہے تھے۔ پھلدار درختوں کی بھی کوئی گنتی نہ تھی۔ درختوں کی ٹہنیاں پھلوں کے وجہ سے جھُکی پڑتی تھیں۔

بادشاہ نے اپنے دونوں شہزادوں اور خواجہ بزُرجمہر کو بھی حکم دے دیا تھا کہ باغِ بے دار میں جا کر رہیں اور حمزہ کا دل بہلائیں۔ چند دن کے اندر اندر بہرام کے زخم بھر گئے اور وُہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ گستم پہلوان ایسا غائب ہوا کہ کسی طرح اس کا سراغ نہ ملا۔ ساطور اس کی کھوج میں لگا ہُوا تھا۔ مگر گستم ایسا چالاک تھا کہ اس نے کسی کو اپنی ہُوا بھی لگنے نہ دی۔

اب عُمرو کی سُنئے۔ اس نے امیر حمزہ کا خط ان کے والد خواجہ عبد المطلب کو مکّے میں پہنچایا اور دوسرے ہی روز مدائن کی جانب واپس چل پڑا۔ اسے امیر حمزہ سے آتنی محبّت تھی کہ پل بھر کی جُدائی بھی برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اتنی تیز دوڑا کہ دو دن کا راستہ ایک ہی دن میں طے کر لیا۔ مدائن کے اندر داخل ہُوا تو ہر طرف جشن کا سماں دیکھا۔ ایک شخص سے پوچھا کہ یہ جشن کِس خوشی میں

ہے؟ کیا بادشاہ کے ہاں کوئی اور شہزادہ پیدا ہُوا ہے؟ اُس شخص نے یہ بات سُن کر قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔

"معلوم ہوتا ہے تم اس شہر میں نئے نئے آئے ہو۔ ارے بھائی، امیر حمزہ گستہم کے ہاتھ سے بچ گئے اور ان کی جگہ بہرام بے چارہ زخمی ہُوا۔ بادشاہ نے امیر حمزہ کے بچ جانے کی خوشی میں رعایا کو جشن منانے کا حکم دیا ہے۔"

یہ سُنتے ہی عُمرو دوڑا اور سیدھا امیر حمزہ کی قیام گاہ پر گیا مگر وہاں معلوم ہُوا کہ حمزہ، بہرام اور مُقبِل وفادار باغِ بے داد میں ہیں اور کسی شخص کو باغ کے اندر گھسنے کی اجازت نہیں۔

"ہُنھ۔۔۔۔ دیکھتا ہوں کہ مجھے کون روکتا ہے۔" عُمرو نے کہا اور باغِ بے داد کی طرف چلا۔ اس نے دور ہی سے دیکھ لیا کہ عادی پہلوان دروازے پر بیٹھا ہے، بھنے ہوئے کئی سالم بکرے اس کے آگے رکھے ہیں اور وُہ دونوں ہاتھوں سے گوشت بھنبھوڑنے میں مصروف ہے۔ عُمرو اس کے قریب پہنچا اور سلام کیا۔

”آہا۔ بھائی عُمرو ہیں۔۔۔ مکّے سے کب آئے؟ سب خیریت ہے نا؟“ عادی نے پوچھا۔

”ہاں، ہاں سب ٹھیک ہے۔ یہ تو بتاؤ حمزہ اور مُقبِل کہاں ہیں؟“

”باغ کے اندر ہیں۔“ عادی نے جواب دیا اور بکرے کی ران اُٹھائی۔

”اچھا، عادی بھائی، دروازہ تو کھلواؤ۔ میں حمزہ سے ملنے جاؤں گا۔“

”نہیں۔ بادشاہ کی اجازت نہیں ہے۔“ عادی نے کہا۔

”یار، تم عجیب آدمی ہو۔ آخر میں کوئی غیر تو نہیں ہوں۔“ عُمرو ناراض ہو کر چلّایا۔

”وُہ تو ٹھیک ہے، مگر میں مجبور ہوں۔“

”باغ میں جانا ہے تو بادشاہ سے لکھوالاؤ۔“

یہ سُن کر عُمرو کو سخت غصّہ آیا مگر کر ہی کیا سکتا تھا۔ عادی جیسے دیو سے لڑنا اُس

کے بس کی بات نہ تھی۔ مایوس ہو کر وہاں سے اُٹھا اور واپس شہر کی طرف چلا۔ راستے ہیں ایک تدبیر سوجھ گئی۔ تھوڑی سی پِسی ہوئی سُرخ مرچیں ایک پنساری سے خرید کر جیب میں بھریں اور واپس باغ کی جانب آیا۔ عادی اب بھی گوشت اور ہڈیاں چبارہا تھا۔ عُمرو کو آتے دیکھا تو کہنے لگا۔

"کیوں بھائی، بادشاہ سے اجازت نامہ لے آئے ہو۔"

"اجی لعنت بھیجو، اجازت وجازت پر۔ میں اِتنا گرا پڑا آدمی نہیں ہوں کہ حمزہ سے ملنے کے لیے بادشاہ کی خوشامد کرتا پھروں۔" عُمرو نے کہا۔

"لو یار تم بھی کھاؤ۔" عادی نے بکرے کی ایک سِری اُٹھا کر عُمرو کی طرف بڑھائی۔ عُمرو آہستہ آہستہ بوٹیاں توڑ کر کھاتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"بھائی عادی، ابھی ابھی راستے میں ایک قیمتی لعل میں نے خریدا ہے۔ ذرا تم بھی دیکھو اور بتاؤ کہ کہیں میں نے زیادہ قیمت تو نہیں دے دی۔"

عادی کی کھوپڑی میں گھاس بھری ہوتی تھی۔ اس نے سوچا کہ عُمرو ایسا کہاں کا

جوہری ہے کہ اسے لعل خریدنے کی ضرورت پیش آئی۔ اُس نے اپنا بڑا سا ہاتھ آگے پھیلا کر کہا۔

”لاؤ، لعل دِکھاؤ۔ دیکھتے ہی بتادوں گا کہ کتنی قیمت کا ہے؟“

عُمرو نے جیب میں ہاتھ ڈالا، مٹھی بھر مرچیں نکالیں اور عادی کی آنکھوں میں جھونک دیں۔ عادی کے حلق سے ڈراونی چیخ نکلی۔ وُہ دونوں ہاتھوں سے آنکھوں کو مسلنے اور گدھے کی طرح رینگنے لگا۔

”لو عادی بھائی، اَب اطمینان سے بیٹھے لعل کا معائنہ کرتے رہو۔ خادم تو باغ کے اندر جاتا ہے۔“ عُمرو نے قہقہہ لگا کر کہا اور ایک ہی چھلانگ میں باغ کی دیوار پر چڑھ کر پَرلی طرف کُود گیا۔

ایسا خوب صورت باغ عُمرو نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ دیوانوں کی طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ایک ایک چیز کو دیکھتا اور حیران ہوتا۔ ایک بارہ دری کے اندر سے قہقہوں اور گانے بجانے کی آوازیں سُنائی دیں۔ وُہ ایک درخت کے پیچھے

چھُپ گیا اور غور سے دیکھنے لگا۔ امیر حمزہ، بہرام، مُقبِل وفادار، بزُرجمہر، شہزادہ ہُرمُز اور شہزادہ فرامُرز سب وہاں موجود تھے۔ اتنے میں دروازے کی جانب سے شوروغل سُنائی دیا۔ عُمرو نے دیکھا کہ نوشیرواں بھی اپنے وزیروں اور پہلوانوں کے ساتھ چلا آرہا ہے۔ امیر حمزہ اور ان کے ساتھیوں نے بادشاہ کی تعظیم کی اور سب لوگ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

عُمرو درخت پر چڑھ گیا اور شاخوں میں اپنے آپ کو چھپا کر بلند آواز سے گانے لگا۔ اس کی آواز ایسی سُریلی تھی کہ سُننے والے مست ہو گئے۔ یکایک امیر حمزہ نے آواز پہچان لی۔ مُقبِل سے کہنے لگے۔

"یہ تو عُمرو کی آواز ہے۔ معلوم ہوتا ہے وُہ مکّے سے آگیا ہے۔ لیکن عادی نے اجازت کے بغیر اُسے باغ میں کیوں گھُسنے دیا؟ بلاؤ عادی کو۔۔۔ ہم اس سے پوچھیں گے۔"

اتنے میں عادی خود ہی فریاد کرتا اور غُل مچاتا ہُوا آگیا۔ اس نے بتایا کہ عُمرو نے پِسی ہوئی مرچیں میری آنکھوں میں ڈال دیں اور باغ کی دیوار پھاند کے

اندر گھس گیا۔ نوشیر واں، عادی کی حالت دیکھ کر ہنسا۔ امیر حمزہ اور مُقبِل بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ بادشاہ نے عادی کو سمجھا بجھا کر واپس بھیجا اور امیر حمزہ سے کہا۔

"تمہارا دوست عُمرو تو بڑا خطرناک آدمی ہے۔ اسے جلد بلاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی نیا گُل کھلائے۔"

امیر حمزہ نے ایک غلام سے کہا کہ عُمرو کو ڈھونڈھ کر لائے۔ غلام گیا اور تھوڑی سی تلاش کے بعد عُمرو کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ غلام نے آواز دی اور کہا۔

"عُمرو صاحب، نیچے تشریف لائیے۔ بادشاہ سلامت آپ کو یاد فرماتے ہیں۔"

"جاؤ جاؤ، اپنا کام کرو۔ عُمرو نے جواب دیا۔ ہم فقیر آدمی۔ ہمیں بادشاہوں سے کیا کام۔ ہم یہیں خوش ہیں۔"

غلام نے یہی بات جا کر بادشاہ سے کہہ دی۔ نوشیر واں ہنس پڑا۔ امیر حمزہ سے

کہنے لگا۔

"آؤ، ہم خود عُمرو کے پاس چلتے ہیں۔" سب لوگ اُٹھے اور غلام انہیں اُس درخت کے پاس لے گیا جس پر عُمرو بیٹھا تھا۔ نوشیر واں اور امیر حمزہ کو آتے دیکھا تو عُمرو جھٹ درخت سے اُترا اور دوڑ کر بادشاہ کے قدموں پر گر پڑا۔ پھر امیر حمزہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور جھوٹ موٹ رونے لگا۔ نوشیر واں نے پوچھا "روتے کیوں ہو؟" جواب دیا۔ "بغیر اجازت باغ میں آ گیا ہوں۔ اب حضور پھانسی پر لٹکائیں گے۔ اس لیے روتا ہوں۔"

بادشاہ نے تسلّی دی اور عُمرو کا رونا تھما۔ اب عُمرو نے دوبارہ گانا شروع کیا اور اس انداز میں گایا کہ سب لوگ بے اختیار رونے لگے۔ تھوڑی دیر بعد دوسرا گانا شروع کیا تو سب ہنسنے لگے۔ نوشیر واں نے خوش ہو کر اپنے گلے سے موتیوں کا قیمتی ہار اُتارا اور عُمرو کے گلے میں ڈال دیا۔ رات ہوئی تو سب لوگ محل زر نگار میں آئے جو اسی باغِ بے داد میں بنا ہُوا تھا اور کھانا کھا کر اپنے کمروں میں آرام کرنے چلے گئے۔

شہزادی مہر نگار

بختک کو جب یہ معلوم ہوا کہ عُمرو عیّار عادی پہلوان کی آنکھوں میں مِرچیں جھونک کر باغِ بے داد میں جا گھُسا تو اُس کے سینے پر سانپ لوٹ گیا۔ دل میں کہنے لگا کہ میں بادشاہ کا وزیر ہوں اور باغ میں نہیں جا سکتا۔ عُمرو ایک ادنیٰ آدمی ہو کر یوں دندناتا ہُوا چلا جائے۔ یہ ہر گز نہ ہو گا۔ میں بھی ہر قیمت پر باغ میں جاؤں گا۔

اُس نے بہت سی اشرفیاں تھیلیوں میں بھری، کئی تھان کمخواب اور مخمل کے خوب صورت کشتیوں میں لگا کر غلاموں کے سروں پر رکھے اور باغِ بے داد کے دروازے پر پہنچا۔ عادی پہلوان اس وقت مِرچیں تو صاف کر چکا تھا لیکن غصّے کے مارے اس کی آنکھوں میں خون اُترا ہُوا تھا۔ اب جب بختک کی

منحوس شکل دیکھی تو دل ہی دل میں برا بھلا کہنے لگا۔ بختنت نے تاڑ لیا کہ پہلوان غصّے میں ہے۔ خوشامد سے کہنے لگا۔

”عادی پہلوان، آفرین ہے تم پر۔ کیا جسم بنایا ہے اور کیا طاقت ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت تمہارے جوڑ کا پہلوان روئے زمین پر نہیں۔“

عادی نے اوپر سے نیچے تک بختنک کو گھورا اور کڑوے لہجے میں کہا۔

”آپ مطلب کی بات کہیے۔ میں ان باتوں کو خوب سمجھتا ہوں۔ اتنا گدھا نہیں ہوں۔“

”بڑی مہربانی ہو گی اگر آپ مجھے باغ کے اندر جانے کی اجازت دے دیں۔“ بختنک نے گڑ گڑا کر کہا۔

”جی نہیں۔ پہلے بادشاہ سے اجازت لے لو پھر باغ میں جانا مِلے گا۔“ عادی نے کورا جواب دیا اور پاس رکھا ہُوا پانی کا ایک گھڑا اُٹھا، مُنہ سے لگا کر غٹ غٹ پی گیا۔

بختک نے اب اشرفیوں کی تھیلیاں ہلائیں اور غُلاموں کو آگے بڑھایا جن کے سروں پر مخمل اور کمخواب کے تھان رکھے تھے۔

"کپڑے کے یہ تھان کس لیے لائے ہو، اور ان تھیلیوں میں کیا ہے؟" عادی نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ تھان اور سونے کی اشرفیاں آپ کے لیے لایا ہوں، لیکن شرط یہ ہے کہ مُجھے باغ میں جانے دیں۔" بختک نے مُسکراتے ہوئے جواب دیا۔

عادی پہلوان یہ سُنتے ہی کھڑا ہو گیا۔ طیش کے مارے اس کا بدن کانپ اٹھا۔ اور منھ کے کناروں سے سفید سفید جھاگ اُڑنے لگا۔ وُہ غرّا کر بولا۔

"اگر تو بادشاہ کا وزیر نہ ہوتا تو میں ابھی تیری ہڈّیاں سُرمہ کر دیتا۔ تو مجھے رشوت دیتا ہے؟ بہتر یہی ہے کہ میری نظروں کے سامنے سے دور ہو جا، ورنہ تیرا خون پی جاؤں گا۔"

بختک اور اس کے غلام سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور اپنے گھر جا کر دم لیا۔

جب حواس بجا ہوئے تو بختک سوچنے لگا کہ اب کیا تدبیر کی جائے۔ دروازے سے جانا تو ممکن نہیں۔ صرف یہی صورت ہے کہ رات کے گھُپ اندھیرے میں کمند کے سہارے دیوار پر چڑھوں اور باغ کے اندر کود جاؤں۔

آدھی رات کو بختک اپنے گھر سے نکلا۔ چوروں کی طرح چھپتا چھپاتا اور پہرے داروں کی نگاہ سے بچتا بچاتا باغ کی جانب چلا۔ دیوار خاصی اونچی تھی اور نیچے کودنے میں ہڈّیاں چٹخنے کا خطرہ تھا۔ اس لیے بختک نے ایک ایک کر کے اپنے تمام کپڑے اُتار دیے۔ پھر اُن کپڑوں کی گٹھڑی بنائی اور نیچے گھاس پر پھینک دی۔ اس کا ارادہ تھا کہ کپڑوں کی گٹھڑی پہ گروں کا تو چوٹ نہیں لگے گی۔

اِدھر بختک اپنی اس کارروائی میں لگا ہُوا تھا اور اُدھر عُمرو عیّار کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ بستر پر کروٹیں لیتے لیتے تھک گیا۔ خیر جھنجھلا کر اُٹھا اور دل میں کہنے لگا کہ باغ میں چلنا چاہیے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہُوا بدن کو لگے گی تو خُشکی دُور ہو جائے گی۔ یہ سوچ کر کمرے سے باہر نکالا اور باغ میں گیا۔ دیوار کے ساتھ

ساتھ ٹہلتا جا رہا تھا کہ ایک دم اندھیرے میں سے کوئی چیز آئی اور اس کے قدموں میں گری۔ وُہ ڈر کے مارے سُن ہو گیا مگر پھر غور سے دیکھا تو کپڑوں کی گٹھڑی تھی۔ فوراً پہچان گیا کہ یہ کپڑے بختک وزیر کے سوا کسی اور کے نہیں ہو سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وُہ باغ میں چوری چھپے گھُسنے کی کوشش کر رہا ہے۔

عُمرو نے جھٹ کپڑوں کی گٹھڑی بغل میں دبائی اور ایک درخت کے پیچھے چھُپ گیا۔ چند منٹ بعد دھم سے کوئی آدمی گھاس پر گرا اور اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی۔ یہ بختک تھا۔ کوشش کے باوجود وُہ اپنی چیخ نہ روک سکا۔ اس کے گھُٹنے اور کہنیاں چھِل گئی تھیں۔ قسمت کو کوستا ہُوا اُٹھا اور گٹھڑی تلاش کرنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ اندھیرے کی وجہ سے گٹھڑی پر کودنے میں غلطی ہوئی ہے۔ لیکن اِدھر اُدھر دیکھنے کے باوجود جب گٹھڑی نہ ملی تو حیران ہُوا اور کہنے لگا۔ ”یہ کیا مصیبت ہے۔ گٹھڑی کِدھر غائب ہو گئی۔“

اتنے میں باغ کے دوسرے حصّے سے پہرے داروں کی ایک ٹولی باتیں کرتی

ہوئی آئی۔ بختک بڑا گھبر ایا۔ لپک کر اُس چھوٹی سی نہر کے کنارے گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھ گیا جو باغ کے درمیان میں بہتی تھی۔ عُمرو پھُرتی سے آیا اور بختک کی کمر میں اس زور سے لات ماری کہ وُہ لُڑھک کر نہر میں جا گرا اور ڈبکیاں کھانے لگا۔ اچانک اُسے خیال آیا کہ یہ حرکت ضرور کسی بھوت کی ہے۔ اس خیال کے آتے ہی حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخیں مارنے لگا۔

پہرے داروں نے یہ آواز سُنی تو دوڑتے ہوئے تھے۔ مشعل کی روشنی میں دیکھا کہ ایک ننگ دھڑنگ نہر میں ڈبکیاں کھا رہا ہے اور چیختا جاتا ہے۔ انہوں نے بختک کو پانی سے باہر نکالا اور کہا۔

"کون ہے؟ اور اس باغ میں کیوں کر آیا؟"

"م۔۔۔م۔۔۔۔م۔۔۔۔میں بختک وزیر ہوں۔۔۔۔ بادشاہ کا وزیر۔۔۔۔" بختک نے جواب دیا۔

"بختک؟ وزیر؟" پہرے داروں میں سے ایک نے حیرت سے چلّا کر کہا۔

"ہم نہیں مان سکتے۔ بھلا وزیر کو اس حالت میں آدھی رات کے وقت باغ میں آنے اور نہر میں غوطے کھانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اس کا مطلب ہے میں جھُوٹ بول رہا ہوں۔ تم لوگ مجھے نہیں پہچانتے؟" بختک نے ناراض ہو کر کہا۔

پہرے دار ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے کہ کیا کریں۔ اتنے میں عُمرو نے درخت کے پیچھے سے آواز دی۔

"پہرے دارو، یہ شخص چور ہے۔ بُری نیّت سے باغ میں آن گھسا ہے۔ اسے پکڑ کر درخت سے باندھ دو اور صبح بادشاہ کو اطلاع دے دینا۔"

پہرے داروں نے آناً فاناً بختک کو پکڑا اور درخت کے تنے سے باندھ دیا۔ بختک نے عُمرو کی آواز پہچان لی تھی۔ گڑگڑا کر کہنے لگا۔

"بھیّا عُمرو، میری جان بچاؤ۔ زندگی بھر تمہارا احسان نہ بھولوں گا۔"

اب عُمرو درخت کے پیچھے سے نکل کر سامنے آیا۔ بختک کو اس حالت میں

دیکھاتو خوب ہنسا۔ کہنے لگا۔

"افسوس کہ میں آپ کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ پہرے داروں نے آپ کو پکڑا ہے۔ وہی چھوڑنے کا حق رکھتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ آپ بختک وزیر ہی ہیں۔۔۔۔ مگر۔۔۔"

"جناب، یہ وزیر چھوڑ وزیر اعظم ہی کیوں نہ ہوں۔ ہم انہیں ہر گز نہ چھوڑیں گے اور صبح بادشاہ کے سامنے پیش کریں گے۔" پہرے داروں نے کہا۔

"اچھا بختک صاحب، بندہ تو اجازت چاہتا ہے۔ نیند آرہی ہے۔" عُمرو نے ہنس کر کہا اور چلنے کے لیے قدم بڑھایا۔

بختک نے روتے ہوئے کہا۔ "اچھا، اتنی مہربانی کرو کہ میرے کپڑے واپس کر دو۔"

"کپڑے؟ کون سے کپڑے؟" عُمرو نے اَن جان بن کر کہا۔

اب تم بختک کا پارہ چڑھ گیا۔ عُمرو کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ عُمرو نے پہرے داروں

سے کہا۔

"افسوس، بے چارے کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ کل بادشاہ سے کہہ کر اسے پاگل خانے بھجوانا پڑے گا۔ اسے اسی طرح بند ھا رہنے دو۔"

یہ کہہ کر وُہ پہرے داروں کو اپنے ساتھ لے گیا۔

صُبح مُنھ اندھیرے ہی عُمرو اُٹھا اور امیر حمزہ مُقبِل اور بزُرجمہر کو جا کر اُٹھایا۔ اتنے میں نوشیر واں اور دونوں شہزادے بھی بیدار ہو گئے۔ عُمرو کہنے لگا۔

"حضور، کیسی عمدہ ہُوا چل رہی ہے۔ باغ کی سیر کیجئے۔ لطف رہے گا۔"

نوشیر واں خوش ہُوا اور سب لوگ باغ کی سیر کو چل پڑے۔ عُمرو بڑی مزے دار باتیں کرتا کرتا بادشاہ اور شہزادوں کو اُسی جگہ لے گیا جہاں پچھلی رات بختک وزیر کو درخت سے باندھا گیا تھا۔ نوشیر واں کی نظر جوں ہی بختک پر پڑی، حیرت سے چلّا اُٹھا۔

"ہائیں! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں! بختک تو اس حالت میں یہاں کیسے۔"

بختک نے شرم سے گردن جھکا لی اور کُچھ جواب نہ دیا۔ عُمرو عیّار نے کہا۔ ”حضور، باغ کے پہرے داروں کو بُلوا کر اُن سے پوچھیے۔ شاید وہ کُچھ بتا سکیں۔“

اسی وقت پہرے دار طلب کیے گئے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ”آدھی رات کے وقت یہ شخص ننگا دھڑ نگا نہر میں ڈبکیاں کھا رہا تھا۔ اسے باہر نکالا تو کہنے لگا میں بختک وزیر ہوں۔ ہمیں یقین نہ آیا۔ بھلا وزیر کو اس حال میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ اتنے میں خواجہ عُمرو آگئے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ شخص واقعی وزیر ہے۔ مگر ممکن ہے کسی بُری نیّت سے آیا ہو۔ ہم نے اسے درخت سے باندھ دیا۔ اب حضور کا حکم ہو وُہ کیا جائے۔“

اتنے میں عادی پہلوان اُدھر آ نکلا۔ اُس نے رشوت دینے کی ساری داستان کہہ سُنائی۔ بادشاہ نے دانت پیس کر قہر کی نظر سے بختک کو دیکھا اور کہا۔

”یہ نالائق ہمارا وزیر بننے کے قابل نہیں ہے۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہُوا ٹھیک ہے۔ آدھی رات کو بغیر اجازت باغ میں گھسنے کی یہی سزا ہے۔ اسے سارا دن

باغ میں بند ھا رہنے دو۔"

بختک نے رحم طلب نگاہوں سے بزُرجمہر کی جانب دیکھا۔ بزُرجمہر دیکھ ہی چُکا تھا کہ بادشاہ طیش میں ہے۔ اسے سفارش کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اُس لئے امیر حمزہ کے کان میں کہا کے بختک بے چارے کو رہائی دلواؤ۔ امیر حمزہ نے بادشاہ سے کہہ سُن کر بختک کا قصور معاف کرایا۔ عُمرو نے کپڑوں کی گٹھڑی لاکر دی اور وُہ بد نصیب وہاں سے دُم دبا کر بھاگا۔

جب بہرام کا زخم بھر گیا اور بزُرجمہر نے کہہ دیا کہ بہرام تندرست ہو چکا ہے تو بادشاہ نے اس خوشی میں جشن کا حکم دیا۔ رات کو شہر میں چراغاں ہوا، آتش بازی چھوڑی گئی۔ غریبوں میں اشرفیاں اور کپڑے تقسیم کیے گئے۔ جگہ جگہ دعوتیں اور جلسے ہوئے۔ بادشاہ نے امیر حمزہ اور ان کے تمام دوستوں کو اپنے خاص محل میں دعوت دی۔ اس محل کا نام چہل ستون تھا، اسے چہل ستون یُوں کہتے تھے کہ اس کی عظیم الشان عمارت چالیس بڑے ستونوں کے سہارے کھڑی تھی۔ ہر ستون سفید دودھیا پتھّر کا بنا ہُوا تھا جسے

سنگِ مَرمَر کہتے ہیں۔ محل چہار ستون کی چھت پر سے مدائن کا نظارہ بڑا بھلا معلوم ہُوتا تھا۔ اس کے کمروں کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ تھی اور ہر کمرے میں کئی کئی لاکھ روپے کا قیمتی فرنیچر سجا ہُوا تھا۔ بر آمدوں، گیلریوں اور دروازوں پر سیاہ رنگ کے طاقت ور حبشی غلام پہرہ دیتے تھے جن کے کندھوں پر چمکتی ہوئی فولادی تلواریں دھری رہتی تھیں۔

محل کے باغیچوں میں چھوٹے چھوٹے خوبصورت حوض تھے جن میں گلاب کا عرق بھرا ہُوا تھا اور بادشاہ صبح شام اسی عرق میں غُسل کرتا تھا۔ اس کے علاوہ بے شمار فوارے دن رات چلتے تھے۔ پانچ دِن تک امیر حمزہ اور ان کے دوست اسی محل میں رہے۔ چھٹے دن بادشاہ نے آرام کیا اور امیر حمزہ سے کہا کہ وُہ اس محل میں جب تک جی چاہے رہیں۔

ایک دن امیر حمزہ اور مُقبِل وفادار محل کی چھت پر گئے اور شہر کا نظارہ کرنے لگے۔ قریب ہی ایک اور عالی شان عمارت آسمان سے باتیں کر رہی تھی۔ امیر حمزہ نے مُقبِل سے پوچھا۔

”اس عمارت میں کون رہتا ہے؟“

”سُنا ہے کہ یہ نوشیرواں کی بیٹی شہزادی مہر نگار کا محل ہے۔“مقبل نے کہا۔
”یہ شہزادی اِتنی خوبصورت ہے کہ اس کے سامنے چاند کی چاندنی بھی پھیکی پڑ جاتی ہے؟“

”اچھا۔“ امیر حمزہ نے مسکرا کر کہا ”کاش ہم اس شہزادی کو کسی طرح دیکھ سکتے۔“

”یہی چیز تو مشکل ہے۔ بادشاہ نے شہزادی کی حفاظت کے کڑے انتظام کر رکھے ہیں۔ محل میں بغیر اجازت پرندہ بھی پَر نہیں مار سکتا۔ اس کے علاوہ شہزادی مہر نگار ہر وقت اپنی سہیلیوں اور خادماؤں کے جھُرمٹ میں گھری ہوتی ہے۔ یہ عورتیں اُسے ذرا سی دیر کے لیے بھی اکیلا نہیں چھوڑتیں۔“

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ دوسرے محل کی چھت پر کُچھ شور سا سُنائی دیا۔ پھر بہت سی لڑکیاں نمودار ہوئیں۔ اُن کے درمیان میں شہزادی مہر نگار بھی

تھی۔ وُہ سب اس روز شہر مرائن کا نظارہ کرنے چھت پر آئی تھیں۔ امیر حمزہ نے شہزادی کو دیکھا اور شہزادی کی نگاہ بھی اُن پر پڑی۔ اس نے اپنی ایک کنیز سے پوچھا۔

"ہمارے ابّا جان کے محل چہل ستون کی چھت پر یہ دو آدمی کون ہیں؟"

"شہزادی صاحبہ، اِن میں سے ایک امیر حمزہ ہیں اور دوسرے ان کے دوست مُقبِل وفاداری۔"

"ہم نے سُنا ہے کہ عرب کے لوگ بڑے خوب صورت ہوتے ہیں۔ آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔" شہزادی نے کہا۔

اِدھر امیر حمزہ نے مُقبِل کا ہاتھ پکڑا اور چھت پر سے اُتر کر نیچے چلے گئے۔ اس دن سے طبیعت ایسی خراب ہوئی کہ کھانا پینا سب چھوٹ گیا۔ ہر وقت چپ چاپ رہنے لگے۔ بادشاہ نے بہت سے حکیموں اور طبیبوں کو علاج کے لیے بلایا، مگر کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ امیر حمزہ کو کیا مرض ہے۔ آخر ایک دن عُمرو

عیّار اور مُقبِل وفادار نے موقع پا کر امیر حمزہ کے قدموں میں سر رکھ دیا اور رونے لگے۔ امیر حمزہ کے بھی آنسو نکل آئے۔ اپنے دوستوں کو اُٹھا کر سینے سے لگایا اور کہا۔

"بھائیو، اب مُجھے میرے حال پر چھوڑ دو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں زیادہ دِن نہ جئیوں گا۔ میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے۔"

"اے امیر حمزہ ایسی بات مُنھ سے نہ نکالو۔" عُمرو نے کہا۔ "قسم ہے پیدا کرنے والے کی کہ ہم تم سے پہلے اپنی جان دے دیں گے۔ ہمیں اپنے دل کا راز بتاؤ کہ تمھیں کیا ہوا کیا ہے؟ اگر ہمارے بس میں ہُوا تو ضرور تمہاری مدد کریں گے۔"

یہ سُن کر امیر حمزہ تھوڑی دیر چپ رہے پھر آہستہ سے بولے "ہم چاہتے ہیں کہ شہزادی مہر نگار سے ہماری شادی ہو۔"

عُمرو عیّار روتے روتے ایک دم قہقہہ مار کر ہنسا اور کہنے لگا۔

”واہ بھائی حمزہ، تم نے کمال کر دیا۔ اتنی سی بات تھی جس پر تم نے اپنی یہ حالت بنالی۔ اگر تم پہلے ہی دِن مجھے بتا دیتے تو اب تک شہزادی مہر نگار سے تمہاری شادی ہو بھی چکی ہوتی۔“

اب تو امیر حمزہ اور مُقبِل نے حیرت سے عُمرو کو دیکھا اور پوچھنے لگے ”تمہارے پاس کون سا جادو ہے جس کے بل بوتے پر تم یہ شادی کرا دیتے۔“

”جادو وادو تو اپنے پاس نہیں ہے ہاں ایک تدبیر ایسی ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو شاید بادشاہ راضی ہو جائے۔“

”جلد بتاؤ وُہ کیا تدبیر ہے؟“

”کیا مفت میں بتا دوں۔“ عُمرو نے کہا۔ ”ایسی کچّی گولیاں نہیں کھیلا۔“

”یار، تم آدمی سخت نامعقول ہو۔“ امیر حمزہ نے جھلّا کر کہا ”اچھا، جاؤ ایک ہزار اشرفیاں تمہیں دیں۔ اب بتاؤ۔“

عُمرو نے جب ہزار اشرفیوں کی تھیلی قبضے میں کر لی تو کہا ”بات یہ ہے کہ

نوشیر واں کو تم جیسا خوبصورت اور بہادر نوجوان مشکل ہی سے مِلے گا۔ تم فوراً بزُرجمہر سے کہو کہ وہ بادشاہ سے شہزادی مہرنگار کا رشتہ تمہارے لیے مانگے۔ مُجھے یقین ہے کہ نوشیر واں انکار نہیں کرے گا۔"

"خُدا تُجھے غارت کرے۔ یہ تدبیر تھی جس کے لیے تو نے ہم سے ایک ہزار اشرفیاں اینٹھ لیں۔" امیر حمزہ نے ناراض ہو کر کہا اور مُنہ پھیر لیا۔ لیکن مُقبِل وفادار کے دِل کو عُمرو کی بات بھا گئی۔ امیر حمزہ کو دلاسا دیا، اور خود بزُرجمہر کے پاس پہنچا اور اسے سارا حال کہہ سُنایا۔

بُزرجمہر یہ سُن کر پریشان ہُوا۔ کہنے لگا۔ "بیٹا مُقبِل، تم اور تمہارا دوست حمزہ مجھے اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ عزیز ہو۔ لیکن یہ معاملہ ایسا نازک ہے کہ اگر بادشاہ ناراض ہو گیا تو نہ میری خیر ہے نہ تمہاری۔ اچھّا خُدا کا نام لے کر بادشاہ کی خدمت میں جاتا ہوں اور موقع پا کر اس سے کہوں گا۔ مگر مجھے اُمّید نہیں کہ وُہ یہ بات مان لے۔"

بزُرجمہر جب نوشیر واں کے پاس گیا تو دیکھا کہ وُہ سخت پریشانی کے عالم میں

ٹہل رہا ہے۔ یہ دیکھ کر بزُرجمہر کا ماتھا ٹھنکا۔ دِل میں کہا کہ شاید بادشاہ تک پہلے ہی خبر پہنچ چکی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ میں اپنی زبان سے اس کا ذکر نہ کروں۔ اُس نے بادشاہ کو سات سلام کیے اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ نوشیرواں نے اس کو دیکھا تو کہنے لگا۔

"ہم آپ کو ابھی طلب کرنے والے تھے، اچھّا ہُوا کہ آپ خود ہی آ گئے۔"

"جہاں پناہ کا اقبال بلند ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ حضور کُچھ پریشان ہیں؟"

"پریشانی کی بات یہ ہے کہ ہندوستان کے بادشاہ لندھور نے پیغام بھیجا ہے کہ آئندہ وُہ ہمیں خِراج ادا نہیں کرے گا اور نہ اب ہم اسے اپنا ماتحت خیال کریں۔"

نوشیرواں نے کہا "ہم نے سنا ہے کہ یہ لندھور بڑا طاقتور اور بہادر جوان ہے۔ سات من کا فولادی گُرز لٹّو کی طرح گھُماتا ہے اور ہندوستان کے دوسرے بادشاہ اور راجا اس سے تھر تھر کانپتے ہیں۔"

”جہاں پناہ کا ارشاد بالکل صحیح ہے۔“ بزُرجمہر نے کہا۔ ”لندھور کی طاقت اور بہادری کا یہی حال ہے اور مجھے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ اگر اس کی طاقت کو کچلا نہ گیا تو ایک دن وُہ مدائن پر حملہ کر دے گا۔“

”ہاں خواجہ، تم ٹھیک کہتے ہو۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ لندھور کو کس طرح قابو میں کیا جائے۔ ہمارے پاس اس کے مقابلے کا کوئی آدمی نہیں۔“

”حضور آدمی تو ہمارے پاس موجود ہے۔ لیکن۔۔۔۔“ بزُرجمہر کہتے کہتے رُک گیا۔

نوشیرواں نے تعجّب سے بزُرجمہر کی جانب دیکھا اور کہنے لگا۔ ”آپ کُچھ کہتے کہتے رُک کیوں گئے؟ شاید آپ اِشارہ حمزہ کی طرف ہے۔ مگر حمزہ اتنی دور جا کر لندھور سے لڑنے پر رضامند ہو جائے گا؟“

”جہاں پناہ، اس کی کیا مجال کہ آپ کا حکم نہ مانے۔ وُہ تو سر کے بل جائے گا۔ مگر اس کے ساتھ ایک پریشانی یہ ہے کہ وُہ شہزادی مہر نگار سے شادی کرنا

چاہتا ہے۔"

"کیا کہا؟ حمزہ ہماری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے؟" نوشیر واں نے گرج کر کہا۔

"اُسے ایسا سوچنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ وُہ بھول گیا کہ ہم سات سلطنتوں کے بادشاہ کہلاتے ہیں اور وُہ صرف مکّے کے رئیس کا بیٹا ہے۔ ہماری محبت اور شفقت کا اس نے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ ہم ابھی اُسے ملک بدر کرنے کا حکم دیں گے۔"

نوشیر واں کے مُنھ سے غُصّے کے مارے جھاگ اُڑنے لگے۔ بزُرجمہر اسی طرح ہاتھ اندھے کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد بادشاہ کا غصّہ کُچھ اُترا تو بزُرجمہر نے کہا۔

"حضور، ذرا ٹھنڈے دل سے اس معاملے پر غور فرمائیں۔ میں خود بھی نہیں چاہتا کہ حمزہ اور شہزادی مہر نگار کی شادی ہو۔ کیونکہ حمزہ ہماری قوم کا آدمی نہیں۔ وُہ عرب ہے اور ہم ایرانی۔ ہماری قوم کے لوگ اس شادی کو پسند نہ

کریں گے۔ لیکن حمزہ کو ٹالنے کی ایک ہی صورت ہے۔ مجھے اُمّید ہے کہ سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے گی۔"

"جلد بتاؤ وُہ صورت کیا ہے؟ ہم اس پر عمل کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔" نوشیر واں نے کہا۔

"جہاں پناہ، آپ بھرے دربار میں سرداروں سے کہئیے کہ جو شخص ہندوستان جا کر لندھور سے لڑے اور اس کا سر کاٹ کر لائے اس کی شادی شہزادی مہر نگار سے کر دی جائے گی۔ جیسا کہ آپ نے خود فرمایا ہے ہمارے پاس لندھور کے مقابلے کا کوئی آدمی موجود نہیں۔ حمزہ ہی اس کام کے لیے تیار ہو گا۔ اگر وُہ ہندوستان جا کہ لندھور کے ہاتھوں مارا جائے تو خود بخود اس کا قصّہ پاک ہو جائے گا اور اگر وُہ لندھور کا سر کاٹ کر لے آئے تو تمام ہندوستان آپ کے قدموں پر ہو گا۔ پھر ہماری قوم کے کسی آدمی کو یہ اعتراض کرنے کی جرأت نہ ہو گی کہ شہزادی کی شادی ایک عرب سے کیوں کی گئی۔"

نوشیر واں کو یہ تدبیر اس قدر پسند آئی کہ اس نے بزُرجمہر کو گلے سے لگا لیا اور

ایک قیمتی ہار اُسے عطا کیا۔

اگلے روز دربار میں نوشیر واں نے کھڑے ہو کر ایک تقریر کی اور اعلان کیا کہ ”ہندوستان کا بادشاہ لندھور باغی ہو گیا ہے اور اس نے خراج دینا بند کر دیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے سرداروں اور پہلوانوں میں سے کوئی شخص لشکر لے کہ ہندوستان جائے اور لندھور کا سر کاٹ کر ہمارے حضور میں پیش کرے۔ جو شخص یہ کارنامہ انجام دے گا، ہم شہزادی مہر نگار کی شادی اُس سے کر دیں گے۔“

خوفناک جزیرہ

بادشاہ کے اس اعلان پر دربار میں سنّاٹا چھا گیا۔ بڑے بڑے نامی پہلوان اور بہادر فوجی سردار ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔ کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ آگے بڑھ کر بادشاہ سے کہے کہ میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ جب کوئی نہ بولا تو نوشیرواں نے رنج سے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔

"افسوس! افسوس! آج معلوم ہُوا کہ دُنیا بہادروں اور جی داروں سے خالی ہو گی۔" بادشاہ کے مُنھ سے یہ بات نکلتے ہی امیر حمزہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور بولے۔

"جہاں پناہ! میں آپ کا ادنیٰ غلام ہوں اور میری خواہش ہے کہ اپنی جان آپ پر قربان کر دوں۔ مُجھے بہادری اور جی داری کا دعویٰ نہیں ہے لیکن

اجازت دی جائے کہ ہندوستان جاؤں، لندھور سے لڑوں اور اُس کا سر کاٹ کر آپ کے سامنے پیش کروں۔"

"آفرین! صد آفریں!" نوشیرواں نے خوش ہو کر کہا "اے حمزہ، ہمیں تم سے یہی اُمّید تھی۔ ہم حکم دیتے ہیں کہ ہمارے تین جنگی جہاز جن میں سے ہر جہاز پر ایک ایک ہزار بہادر سپاہی سوار ہو سکتے ہیں، تمہارے حوالے کر دیے جائیں۔ اس کے علاوہ تمھیں جن چیزوں کی ضرورت ہے، فوراً مہیا کی جائیں۔ تُم ہندوستان کے سفر پر روانہ ہو جاؤ اور جلد سے جلد باغی لندھور کا سر کاٹ کر ہمارے حضور میں پیش کرو۔ اگر اس مُہم میں کامیاب ہو گئے تو ہم اپنی بیٹی شہزادی مہر نگار سے تمہاری شادی کر دیں گے۔"

امیر حمزہ نے آگے بڑھ کر بادشاہ کے تخت کو بوسہ دیا۔ پھر بادشاہ کی اجازت سے مہر نگار کے محل میں گئے۔ وہاں شہزادی کی والدہ ملکہ زر انگیز نے اُن کا استقبال کیا۔ انھیں اپنے ہاتھ سے شربت پلایا اور مہر نگار کی خاص انگوٹھی اُن کی انگلی میں پہنائی۔ امیر حمزہ نے اپنی انگوٹھی اُتار کر نشانی کے طور پر شہزادی

مہر نگار کو دی اور خوش خوش واپس آ گئے۔ اتنے میں بزُرجمہر بھی وہاں آ گیا، امیر حمزہ کو محبّت سے دیکھا اور کہنے لگا۔

"جاؤ بیٹا، اللہ تمہارا نگہبان ہو۔ میں تم سے کُچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ صرف تمہارا دوست مُقبِل وفادار موجود رہے، باقی لوگ چلے جائیں۔"

امیر حمزہ نے سب لوگوں کو کمرے سے باہر چلے جانے کا اشارہ کیا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ مُقبِل وفادار ایک طرف بیٹھا رہا۔ بزُرجمہر دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا، پھر کہنے لگا۔

"پیاس لگی ہے۔ اپنے ہاتھ سے شربت بنا کر ہمیں پلاؤ کہ ہمارا جی ٹھنڈا ہو اور تمہارے حق میں دعا کریں۔"

امیر حمزہ نے جلدی سے شربت بنایا۔ بزُرجمہر نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک چھوٹی سی سنہری رنگ کی ڈبیا نکالی۔ اس ڈبیا میں سرخ رنگ کا کوئی مسالا سا تھا۔ اس نے چپکے سے چٹکی بھر مسالا امیر حمزہ کے شربت میں ملا دیا۔ مُقبِل

وفادار نے یہ دیکھ کر کُچھ کہنا چاہا، مگر بزُرجمہر نے اُسے چُپ رہنے کا اشارہ کیا۔ امیر حمزہ نے شربت پی لیا اور پیتے ہی انہیں زور کی چھینک آئی۔ پھر وُہ بے ہوش ہو گئے۔

بزُرجمہر ہنسے اور مُقبِل سے کہا "آؤ انہیں اُٹھا کر پلنگ پر لِٹا دیں۔"

"لیکن۔۔۔۔۔۔ یہ آپ نے کیا کیا؟" مُقبِل نے حیرت سے پوچھا۔

"اب دیکھتے جاؤ کہ میں کیا کرتا ہوں۔" بزُرجمہر نے کہا اور امیر حمزہ کے کرتے کا گریبان کھول دیا۔ پھر جیب سے ایک تیز دہار کا چمکدار خنجر نکالا۔ مُقبِل یہ خنجر دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا۔

'کیا آپ پاگل ہو گئے ہیں؟ حمزہ کو قتل کرنا چاہتے ہیں؟' اس نے کہا۔

بزُرجمہر مسکرایا اور کہنے لگا "بیٹا مُقبِل، میں پاگل نہیں ہُوا بلکہ حمزہ کی زندگی بچانے کا سامان کر رہا ہوں۔ میں نے نجوم کے ذریعے معلوم کیا ہے کہ ہندوستان کا سفر تُم لوگوں کے لیے بے شمار خطرے اور حادثے لے کر آئے

گا۔ لیکن تُم لوگ خُدا کے فضل و کرم سے محفوظ رہو گے۔ مگر ایک دشمن شخص امیر حمزہ کو زہر دینے میں کام یاب ہو جائے گا اور میں اسی زہر کا توڑ حمزہ کے جسم میں داخل کرنا چاہتا ہوں تا کہ زہر کُچھ اثر نہ کرے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے کبوتر کے انڈے کے برابر ایک موتی نکالا اور مُقبِل کو دکھایا۔

"اسے شاہ مُہرہ کہتے ہیں۔ دنیا بھر میں اس کے ساتھ کا کوئی مُہرہ نہیں ہے۔ کتنا ہی خطرناک زہر ہو یہ اُسے چند لمحے میں چوس لیتا ہے۔ میں اسی مُہرے کو حمزہ کے سینے میں رکھنا چاہتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے امیر حمزہ کے کھُلے ہُوئے سینے پر کسی روغن کی مالش کی۔ پھر خنجر سے ایک گہرا شگاف دیا۔ مُقبِل یہ دیکھ کر حیران ہُوا کہ خُون کا ایک قطرہ بھی حمزہ کے سینے سے نہیں نکلا۔ برزُرجمہر نے شاہ مُہرہ اِس شگاف میں رکھا۔ اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کا بنایا ہُوا مرہم نکال کر زخم پر لگایا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سینے پر زخم کا نشان بھی نہ رہا۔

"خبردار، جب تک عُمرو عیّار تمہارے مُنہ پر تین طمانچے نہ مارے، اس شاہ مُہرے کا راز کسی سے نہ کہنا ورنہ اس کی تاثیر جاتی رہے گی۔" بزُرجمہر نے مُقبِل کو سمجھایا اور مُقبِل نے اقرار کیا کہ جب تک عُمرو کے تین طمانچے نہ کھائے گا، کسی سے اس کا ذکر نہ کرے گا۔

اب بزُرجمہر نے مطمئن ہو کہ پانی میں کوئی دوا مِلائی اور امیر حمزہ کے چہرے پر چھینٹا دیا۔ انہوں نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور کہنے لگے۔

"تعجّب ہے کہ مُجھے فوراً نیند آ گئی۔ اچھا، اب سفر کی تیاری کرتے ہیں۔"

بزُرجمہر رخصت ہُوا۔ امیر حمزہ نے اپنے تمام ساتھیوں اور فوجی افسروں کو بُلا کر حکم دیا کر سب ہتھیار اور کھانے پینے کی چیزیں جہازوں پر لاد دی جائیں، ہم بہت جلد ہندوستان کی جانب روانہ ہو جائیں گے۔ سب لوگ اپنے اپنے کام میں لگ گئے۔ لیکن عُمرو اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ امیر حمزہ نے کہا "کیا بات ہے، طبیعت تو ٹھیک ہے تیری؟"

”جناب، آپ اپنی فِکر کیجئے۔ میری طبیعت ہمیشہ ٹھیک ہی رہتی ہے۔“

”خوب، خوب۔۔۔ اچھا تو آپ بھی چلنے کی تیاری کیجئے۔ وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔“ امیر حمزہ نے مسکرا کر کہا۔

”آپ جایئے ہندوستان۔ میں اپنے وطن جاتا ہوں۔ مُجھے ضرورت نہیں کہ آپ کے ساتھ دھکے کھاتا پھروں اور سچ بات تو یہ ہے کہ میں چار چیزوں سے بہت ڈرتا ہوں۔ جنّات، جادو، سمندر اور اژدھا۔ اِن سے میری جان نکلتی ہے۔“

امیر حمزہ یہ سُن کر بہت ہنسے اور کہنے لگے۔

”تُم تو خود جِن ہو۔ جادو تُم پر کیا اثر کر سکتا ہے۔ اب رہا سمندر تو اس سے ڈرنے کی کیا ضرورت۔ کوئی تیر کر تو جانا ہے نہیں۔ جہاز میں سیر کرتے ہوئے چلیں گئے۔ باقی رہا اژدھا تو اس کی فکر نہ کرو۔ اگر کہیں مِل گیا تو میں اسے مار ڈالوں گا۔“

"جی نہیں۔ میں اِن چکنی چپڑی باتوں میں آنے والا نہیں ہوں۔" عُمرو نے جواب دیا۔ "میں کسی قیمت پر بھی آپ کے ساتھ نہ جاؤں گا۔ ہاں، خشکی خشکی چلیے تو خادم چلنے کے لیے تیّار ہے۔"

امیر حمزہ دیر تک عُمرو کو سمجھاتے رہے مگر وُہ کسی طرح نہ مانا۔ آخر انھوں نے دل میں کہا کہ اسے دھوکے سے لے چلنا چاہیے۔ یوں نہیں مانے گا۔ انھوں نے جھوٹ موٹ آنسو بہاتے ہوئے کہا:

"اچھا بھائی عُمرو، تم مکّے چلے جاؤ۔ میں تمھیں اپنے ساتھ جانے پر مجبور نہیں کرتا۔ لیکن میرا ایک کام تو کرو گے؟"

"ہاں ہاں، فرمائیے۔ میرے بس میں ہُوا تو ضرور کروں گا۔" عُمرو نے کہا۔

"میں کُچھ تُحفے اپنے ابّا جان اور دوسرے لوگوں کے لیے بھیجنا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ ابّا جان کے نام ایک خط بھی لکھ کر تمھیں دوں گا۔ یہ تحفے اور خط اُن تک حفاظت سے پہنچا دینا۔"

”بہت اچھّا۔ وعدہ رہا کہ یہ کام کرُوں گا۔“

عُمرو نے کہا ”اب مجھے اجازت دیجیئے کہ میں اپنے سفر کی تیاری کروں اور آپ اپنے سفر کی تیاری میں مصروف ہوں۔“

اگلے روز صبح سویرے جہازوں کے ملّاحوں اور اُن کے افسروں نے امیر حمزہ کو خبر دی کہ سب سامان اور سپاہی جہازوں پر سوار ہو چکے ہیں۔ امیر حمزہ بھی اپنے دوستوں کو لے کر ساحل پر پہنچے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ تین بڑے بڑے جہاز سمندر میں لنگر انداز ہیں اور اُن کے بادبان ہُوا میں پھڑ پھڑا رہے ہیں۔ یہ جہاز تین تین منزل اُونچے تھے اور ان کے عرشوں پر چلتے ہُوئے ملّاح اور سپاہی ننھّے ننھّے بونے دکھائی دیتے تھے۔

امیر حمزہ اپنے جہاز پر پہنچ گئے۔ وہاں سے ایک آدمی کو کشتی میں بٹھا کر ساحل پر بھیجا کہ عُمرو سے کہے کہ امیر حمزہ کا خط اور تُحفے آ کر لے جائے۔ پہلے تو عُمرو نے یہ بات نہ مانی مگر بعد میں جب اس شخص نے کئی ہزار اشرفیوں کا لالچ دیا تو مان گیا اور کشتی میں بیٹھ کر اس جہاز میں چلا آیا جس میں امیر حمزہ سوار تھے۔

عُمرو آیا تو امیر حمزہ نے ڈھیر سارے تُحفے اُس کے سپرد کیے۔ پھر خواجہ عبدالمطلب کے نام لکھا ہُوا ایک خط دیا۔ عُمرو جب یہ چیزیں سنبھال کر واپس جانے کے لیے اُٹھا تو امیر حمزہ کہنے لگے۔

"جاتے جاتے گلے تو مِل جاؤ۔ کیا خبر ہماری تمہاری ملاقات دوبارہ ہو کہ نہ ہو۔"

یہ باتیں سُن کر عُمرو کا جی بھر آیا جھٹ امیر حمزہ سے چمٹ گیا اور آنسو بہانے لگا۔

امیر حمزہ نے جب اسے اچھی طرح قابو میں کر لیا کو چلّا کر جہاز کے ملّاحوں کو حکم دیا۔ "فوراً لنگر اُٹھاؤ۔"

روانگی کے گولے دھما دھم چھوٹے، جہازوں کے لنگر اُٹھائے گئے، بادبان کھول دیے گئے اور تینوں جہاز آہستہ آہستہ ساحل سے دور ہٹنے لگے۔ عُمرو نے آزاد ہونے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا مگر امیر حمزہ کے فولادی بازوؤں

سے نکلنا محال تھا۔ وُہ زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑا کر رہ گیا اور غصّے میں امیر حمزہ کو جو جی میں آیا، بکا۔

امیر حمزہ نے جب اندازہ کیا کہ جہاز ساحل سے خاصی دور گہرے سمندر میں آ گئے ہیں، تب انہوں نے عُمرو کو چھوڑا۔ وُہ چھُٹتے ہی جہاز میں اِس سِرے سے اُس سِرے تک دوڑنے لگا۔ ملّاحوں نے ان تینوں جہازوں کو لوہے کی بڑی بڑی زنجیروں کے ذریعے آپس میں باندھ دیا تھا تاکہ طوفان آئے تو جہاز ایک دوسرے سے دور نہ ہو جائیں۔ اِن زنجیروں کے ساتھ ساتھ ایک جہاز سے دوسرے جہاز میں جانے کے لیے رسّیوں کے پُل بھی باندھ دیے گئے تھے۔ عُمرو اِن پُلوں پر اُچھلتا کُودتا ایک جہاز سے دوسرے اور دُوسرے سے تیسرے میں گیا۔ لیکن زمین بہت دور تھی۔ آخر مایوس ہو کر اسی جہاز میں لوٹ آیا جس میں امیر حمزہ سوار تھے۔

کُچھ دور جا کر سمندر کے بیچوں بیچ خشکی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نظر آیا۔ کوئی بیس گز لمبا اور سات آٹھ گز چوڑا۔ عُمرو اِس ٹاپو کو دیکھ کر خوش ہُوا۔ دل میں کہنے

لگا چھلانگ لگا کر خشکی پر پہنچوں اور وہیں بیٹھ رہوں۔ یہاں تک مچھیروں کی کشتیاں تو آتی ہی ہوں گی۔ انہی کے ساتھ واپس ساحل پر چلا جاؤں گا۔

یہ سوچ کر چھلانگ لگائی اور ٹاپو پر پہنچ گیا۔ لیکن جو نہی اس کے قدم ٹاپو پر جمے، ٹاپو نے جُنبش کی اور اس کا آدھا حصّہ پانی میں غائب ہو گیا۔ عُمرو دہشت سے چلّایا اور مدد مدد پکارنے لگا۔ اس نے جسے خشکی کا ٹکڑا سمجھا، وُہ اصل میں ایک بہت بڑی وہیل مچھلی تھی جو سانس لینے کے لیے سمندر کی سطح پر آ گئی تھی۔ اب جو اس نے غوطہ لگایا تو عُمرو کے ہوش اُڑے اور بے اختیار امیر حمزہ کو آواز دی کہ آ خُدا کے لیے مجھے بچاؤ۔

امیر حمزہ نے عُمرو کی آواز سُن لی اور جلدی سے عرشے پر آئے۔ دیکھا کہ عُمرو پانی کے اندر غوطے کھا رہا ہے۔ قہقہہ مار کر ہنسے اور ملّاحوں کو حکم دیا کہ اسے بچاؤ۔ خبر دار، ڈوبنے نہ پائے۔

ملّاح پلک جھپکتے میں عُمرو کو پانی سے نکال لائے۔ عُمرو نے گیلے کپڑے اُتار کر دوسرے کپڑے پہنے اور جہاز کے ایک کونے میں دُبک کر بیٹھ گیا۔ داناؤں

نے سچ کہا ہے کہ مصیبت میں پھنسنے کے بعد ہی عافیت کی قدر ہوتی ہے۔

امیر حمزہ کے جہاز ایک مہینے تک سمندر کی لہروں پر سفر کرتے رہے۔ ہر طرف پانی ہی پانی تھا اور خشکی کا کہیں پتا تھا۔ آخر ایک دن دور سُرمئی رنگ کی ایک لکیر سی نظر آئی۔ یہ ایک جزیرہ تھا۔ بڑا سرسبز اور خوب صورت۔ امیر حمزہ کے حکم سے لنگر ڈال دیئے گئے اور سب کشتیوں میں بیٹھ کر جزیرے کی جانب روانہ ہوئے۔ سفر کے دوران میں نہ کسی کو نہانے کا موقع ملا تھا اور نہ کسی نے کپڑے دھوئے تھے۔ اس کے علاوہ پینے کا میٹھا پانی بھی ختم ہونے کے قریب تھا۔ امیر حمزہ نے کہا کہ اس جزیرے پر ضرور پانی کے چشمے ہوں گے۔ یہاں سے تازہ پانی لے لیا جائے اور جو شخص نہانا یا کپڑے دھونا چاہے اُسے بھی اجازت ہے۔

سب سے پہلے عُمرو نے جزیرے پر قدم رکھا۔ وُہ اتنا خوش ہُوا کہ ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتا ہوا دور نکل گیا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہُوا چل رہی تھی اور درخت پھلوں سے لدے کھڑے تھے۔ عُمرو حیران تھا کہ اتنا بڑا اور خوب

صورت جزیرہ ہے لیکن نہ آدمی، نہ آدم زاد۔ بالکل ویران پڑا ہے۔

تھوڑی دیر بعد عُمرو کو پیاس نے ستایا۔ اِدھر اُدھر پانی کا چشمہ تلاش کیا، مگر نہ ملا۔ آخر مایوس ہو کر ایک درخت کے قریب پہنچا جس کی شاخوں پر سرخ رنگ کے بڑے بڑے سنگترے لگے ہوئے تھے۔ عُمرو نے چند سنگترے توڑے اور ان کے عرق سے پیاس بجھائی۔

ابھی پھل کھانے میں مصروف تھا کہ درخت کے تنے میں سے ایک عجیب سی آواز آئی،

"ارے بیٹا عمرو، تم یہاں کب آئے؟"

عُمرو نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا اور حیرت سے اُس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

درخت کے تنے کے ساتھ کوئی سو برس کا بُڈھا پیٹھ لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر بے شمار جھُرّیاں پڑی ہوئی تھیں اور سر اور داڑھی کے تمام بال

برف کی مانند سفید تھے۔ بازو نہایت قوّی اور لمبے، لیکن ٹانگیں بہت پتلی اور لکڑی کی کھپچیوں کی طرح سخت تھیں۔ عُمرو اِس بُڈھے کو یوں بیٹھا دیکھ کر ڈرا اور سوچنے لگا کہ اسے میرا نام کیوں کر معلوم ہُوا؟ اُسے چپ پا کر بُڈھے نے پھر محبّت بھری آواز میں کہا۔

"بیٹا عُمرو، ڈرو مت، میرے نزدیک آؤ۔ میں کوئی غیر نہیں، تمہارا سگا چچا ہو۔ بہت دِن ہوئے جب تم چھوٹے سے تھے، تب سے گھر والوں سے لڑ جھگڑ کر ہندوستان کی طرف نکل گیا تھا۔ ہندوستان میں بہت روپیہ کمایا اور اس روپے سے طرح طرح کے قیمتی جواہرات خریدتا رہا۔ آخر اِن جواہرات کا ایک بڑا خزانہ میرے پاس جمع ہو گیا۔ اپنے وطن سے نکلے ہوئے کئی برس ہو گئے تھے اور گھر والوں کی یاد میں دل تڑپ رہا تھا۔ اس لیے میں ایک جہاز پر سوار ہو کر عرب کی طرف چلا۔ مگر راستے میں زبردست طوفان نے جہاز کو گھیر کر تباہ کر دیا۔ میں بڑی مشکل سے ایک تیرتے ہوئے تختے پر چڑھا اور جان بچائی۔ جواہرات کا صندوقچہ میرے پاس تھا۔ تیرتے تیرتے وُہ تختہ اِس جزیرے پر

آن لگا۔ اس وقت سے اب تک میں یہیں ہوں۔"

بُڈھے نے جواہرات کے صندوقچے کا ذکر کیا تو عُمرو کے مُنھ میں پانی بھر آیا۔ سوچنے لگا کہ کسی طرح بُڈھے سے یہ صندوقچہ ہتھیانا چاہیے۔ فوراً آگے بڑھا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر بولا۔

"ہاں چچا، میں نے آپ کو پہچان لیا۔ میں ایک لشکر لے کر ہندوستان فتح کرنے کے ارادے سے جا رہا تھا۔ راستے میں یہ خوب صورت جزیرہ دکھا تو جی مچل گیا۔ سوچا کہ چند دن یہاں کی سیر کی جائے۔ کیا خبر تھی کہ اتنی مدّت کے بچھڑے ہوئے چچا سے یوں ملاقات ہو گی۔ اب میں ہندوستان نہیں جاتا۔ آپ کے ساتھ عرب جاؤں گا۔ مگر یہ تو فرمایئے کہ وہ صندوقچہ کہاں ہے؟"

بُڈھا یہ سُن کر پوپلے مُنھ سے مُسکرایا اور کہنے لگا۔

"ارے بٹیا، ذرا چھُری تلے دَم تو لو۔ صندوقچہ تمہارا ہی ہے، میں تو اب قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں۔ آج مرا تو کل دوسرا دن۔ وصیّت کر جاؤں گا کہ سب

ہیرے جواہرات تم ہی کو مِلیں۔ اصل میں میں نے وہ صندوقچہ ایک جگہ زمین میں دبا رکھا ہے۔ اب یہاں سے چلیں گے تو اسے نکال لیں گے۔ تم فکر نہ کرو۔ اچھا، باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ مجھے سخت پیاس لگی ہے۔ پانی تو کہیں ملتا نہیں، پھلوں کے رس ہی سے پیاس بجھاتا ہوں"

"ابھی لیجئے چچا جان، جتنے جی چاہے پھل کھایئے۔ میں توڑے دیتا ہوں۔" عُمرو نے کہا۔

"نہیں بیٹا، آج تو میرا جی چاہتا ہے کہ پھل خود اپنے ہاتھ سے توڑ کر کھاؤں۔ تُم دیکھتے ہو کہ بیماری سے میرے دونوں پاؤں لکڑی کی طرح سخت اور پتلے ہو گئے ہیں۔ بالکل چلا نہیں جاتا۔ اِتنی مہربانی کرو کہ مجھے اپنی پیٹھ پر سوار کر لو۔ میں اپنا ہاتھ بڑھا کر خود پھل توڑوں گا۔"

"بہت اچھا، چلئے۔ یہ پیٹھ حاضر ہے۔" عُمرو نے کہا اور گھٹنوں کے بل جھک گیا۔

بُڈھا بندر کی طرح اُچک کر اُس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور اپنی دونوں ٹانگیں اس کی گردن میں ڈال کر اچھی طرح کَس لیں۔ پھر ہاتھ میں پڑا ہوا موٹا سا ڈنڈا اس کی ٹانگ پر مارا اور کہنے لگا۔

"ہاں بیٹا، اب ذرا دوڑ تو لگاؤ۔ دیکھوں تیری رفتار کیا ہے؟"

"چچا جان، یہ کیا مذاق ہے؟" عُمرو نے ناراض ہو کر کہا۔

"مذاق وزاق کُچھ نہیں۔ اب تُم دوڑو۔" بُڈھے نے عُمرو کو ڈانٹا اور اپنی ٹانگوں سے اُس کی گردن اس زور سے دبائی کہ اس کی آنکھیں اُبل پڑیں اور دَم گھُٹنے لگا۔ وُہ چلایا۔

"ارے چچا جان، یہ کیا کرتے ہیں۔ دوڑتا ہوں، ابھی دوڑتا ہوں۔"

یہ کہہ کر عُمرو نے ہرن کی طرح زقند بھری اور میلوں تک دوڑتا چلا گیا۔ وُہ خبیث بڈّھا اس کے دوڑنے بھاگنے سے بڑا خوش ہُوا اور کہنے لگا۔ "بھئی واہ۔ کیا اچھّا گھوڑا مِلا ہے۔ رُکو مت۔ دوڑتے جاؤ۔"

چند لمحے بعد عُمرو نے کہا" چچا جان، میں تھک گیا ہوں۔ مہربان ہو گی کہ آپ میری پیٹھ پر سے اُتر آئیں۔"

"ہاہاہا۔" بُڈھے نے ایسا خون ناک قہقہہ لگایا کہ عُمرو کا خون خشک ہو گیا۔ "کیا کہا تو نے؟ تیری پیٹھ پر سے اُتر جاؤں؟ ناممکن بالکل ناممکن۔ جب تک تیرے جسم مین جان ہے اور تو دوڑنے کے قابل ہے میں تیری پیٹھ سے ہر گز نہیں اُتروں گا۔"

اب تو عُمرو کی سِٹّی گُم ہو گئی۔ دل میں سوچنے لگا کہ خُدا جانے یہ خبیث کون ہے۔ پوچھنا تو چاہیے۔

"چچا جان، سچ مچ بتایئے کہ آپ کون ہیں؟"

"ہم۔۔ ہم ۔۔ اِس جزیرے کی بدروح ہیں۔" بُڈھے نے قہقہہ لگایا۔ "مجھ جیسی بدروحیں یہاں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ ہم سب شیطان کی اولاد میں سے ہیں۔ ہاہاہا۔ زیادہ بک بک نہ کر اور دُوڑ لگا۔"

یہ کہہ کر بُڈھے نے ڈنڈا عُمرو کی ٹانگوں پر مارا اور گردن دبائی۔ عُمرو پھر بھاگ اُٹھا۔ دوڑتے دوڑتے پھر ساحِل کی طرف گیا۔ اس کا خیال تھا کہ امیر حمزہ یا مُقبِل وفادار سے اس بُڈھے کو ہلاک کرواؤں گا۔ لیکن وہاں پہنچ کر کیا دیکھتا ہے کہ ویسی ہی شکل و صورت کے ہزار ہا بُڈھے جہاز کے ملّاحوں اور سپاہیوں کی گردن پر سوار ہیں اور ان کو خوب دوڑا رہے ہیں۔ سب سے بُری حالت عادی پہلوان کی تھی۔ موٹا تازہ ہونے کے باعث اس سے دوڑا نہ جاتا تھا۔ چند قدم بھاگتا اور رُک کو ہانپنے لگتا۔ اس پر اس کا سوار ناراض ہو کر بے تحاشا ڈنڈے برساتا۔

امیر حمزہ نے عُمرو کر دیکھا تو ہنسے اور کہنے لگے۔ ”عمرو، ان بلاؤں سے چھٹکارا پانے کی کوئی تدبیر کرو ورنہ ہم دوڑتے دوڑتے مر جائیں گے۔“

”ترکیب تم خود کرو۔ مجھے تو اس بھاگ دوڑ میں مزا آ رہا ہے۔“ عمرو نے جواب دیا اور اتنا تیز دوڑا کہ سب سے آگے نکل گیا۔ عُمرو کا یہ جواب سُن کر بُڈھا خوش ہُوا اور کہنے لگا۔

”شاباش میرے گھوڑے، تو نے اُس کو اچھّا جواب دیا۔“

عُمرو کا ذہن اس بلا سے رہائی پانے کی تدبیر سوچ رہا تھا۔ لیکن اس کے لیے ضروری تھا کہ بُڈھے کو باتوں میں بہلایا جائے۔ وُہ بھاگتے بھاگتے رُکا اور بڑی سریلی آواز میں گانے لگا۔ گانا سُن کر بڈّھا اور خُوش ہُوا۔ کہنے لگا۔

”آہا، میرا گھوڑا تو گاتا بھی ہے۔ اب تو کسی قیمت پر اسے نہ چھوڑوں گا۔“

”چچا جان، مجھے بھی تم سے محبّت ہو گی ہے۔“ عُمرو نے کہا اور پھر دوڑنے لگا۔

ایک پہاڑ کے قریب سے گزرتے ہُوئے اس نے دیکھا کہ جنگلی انگوروں کی بیلیں پھلوں سے لدی ہوئی ہیں اور انگوروں سے رَس ٹپک ٹپک کر ایک بڑے سے پتھّر کے پیالے میں ِگر رہا ہے۔ عُمرو نے اس پیالے سے مُنھ لگا کر چند گھونٹ پیئے اور ہُوا کی طرح کئی میل تک دوڑتا چلا گیا۔ بُڈھا خبیث خوش ہو کر کہنے لگا۔

”ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عرق نے تمہارے اندر قوّت بھر دی ہے۔“

”ہاں چچا، کیا کہنے ہیں اس عرق کے۔ جواب نہیں۔ اب میں برسوں تک رُکے بغیر دوڑ سکتا ہوں۔ مگر ایک بات کہتا ہوں۔ تُم انگوروں کا یہ رَس کسی چیز میں بھر کر میدان میں رکھ دو۔ جب میں دوڑتے دوڑتے تھک جاؤں تو تھوڑا سارس میرے حلق میں ٹپکا دینا۔ میں پھر تیز ہو جاؤں گا۔ مگر تُم ہرگز ہرگز نہ پینا۔“

بُڈھا مان گیا۔ اس نے انگوروں کا رَس نکالا اور ایک بڑے سے کدّو کو کھوکھلا کر کے اس میں بھر کر میدان میں رکھ دیا۔ رَس دن بھر دھوپ میں پڑا پڑا زہر ہو گیا۔ شام کو عُمرو بُڈھے کو لے کر واپس آیا تو اس نے کدّو اُٹھا کر رَس پینا چاہا مگر بُڈھے نے کدّو اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ یہ خود تو مزے سے پیتا ہے اور مجھے منع کرتا ہے۔ ضرور اس میں کوئی خاص بات ہے۔ یہ سوچ کر اس نے رَس پینا شروع کیا۔ عُمرو جتنا منع کرتا، اتنا ہی وُہ اور پیتا۔ کُچھ دیر بعد زہر اس کی رَگ رَگ میں پھیل گیا اور وُہ بے جان ہو کر عُمرو کی پیٹھ سے زمین پر گر پڑا۔

عُمرو اسی وقت اپنے ساتھیوں کی جانب دوڑا۔ وُہ بے چارے ابھی تک ان بلاؤں سے نجات نہ پا سکے تھے اور دوڑتے دوڑتے پاگل ہو رہے تھے۔ عُمرو کو آزاد پایا تو سب کے سب خوشامد کرنے لگے کہ ہمیں بھی اِن بھوتوں سے چھٹکارا دلاؤ۔ عُمرو نہ کہا۔

"یہ کام محنت کا ہے اور میں مفت کیوں محنت کروں؟ بولو، مُجھے کیا دو گے؟"

سب نے اقرار کیا کہ ہر شخص سو سو اشرفیاں دے گا تب عُمرو نے اپنا خنجر نکالا اور ایک ایک کر کے تمام بُڈھوں کے سَر کاٹ ڈالے۔ اس کے بعد وُہ سب جہازوں پر سوار ہو کر ہندوستان روانہ ہو گئے۔

اس کے بعد کیا ہُوا؟ یہ جاننے کے لیے اس دلچسپ داستان کا تیسرا حصّہ "نوشیر واں کی بیٹی" ضرور پڑھیے۔